ابتدائی دور کے مسلمان

ابتدائی دور کے مسلمانوں کی سرگزشت پر ایک نظر ڈالئے ۔ وہ زیادہ تر سار بانی یا کسی قدر سادہ سی زراعت وتجارت کرتے ہوئے قرآن مجید سے آشنا ہوئے ۔قرآن مجید کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے مستفید ہوتے رہے۔ پھر انھیں اچانک ایشیائی رومی سلطنت اور ساسانی سلطنت سے بہ یک وقت مقابلہ آپڑا اور ان دونوں سلطنتوں کو اس دور میں وہی حیثیت حاصل تھی، جو آج کی دنیا میں روس وامریکہ کو حاصل ہے۔ میدان جنگ ہو یا دائرہ نظم ونسق، ایوان عدالت ہو یا فریضہ خدمت خلق، کیا کوئی شخص انکار کرسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے واجبات وفرائض اس انداز میں پورے کیے کہ نہ ان کے زمانے سے آج تک ایسی کوئی مثال ملتی ہے اور نہ ان سے پیشتر کا کوئی دوران کا نقشہ ونمونہ پیش کرسکتا ہے، حالانکہ انہوں نے قرآن مجید کے سوا کچھ نہیں پڑھا تھا اور سنت رسول پاک کے سوا ان کے سامنے عملی روشنی کوئی نہ تھی۔ انہوں نے کسی عسکری یا انتظامی اکیڈیمی میں تعلیم وتربیت نہیں پائی تھی، لیکن وقت کی متمدن ترین سلطنتوں کے نہایت زرخیز علاقوں کے نظم وضبط کی ذمہ داری ان پر آپڑی تو اسے ایسے طریق پر پورا کیا کہ دیکھنے والوں کو وہ ایک معجزنما کارنامہ معلوم ہوتا تھا۔

(رسول رحمت: ص ۵۵۶، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ)

درس حدیث

نیکی کا ارادہ کرنے پر اجر وثواب

محمد اظہر مدنی

عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم، فیما یروی عن ربه عزوجل قال، قال: ''ان الله کتب الحسنات والسیئات ثم بین ذلک، فمن هم بحسنة فلم یعملها کتبها الله له عنده حسنة کاملة، فان هوهم بها فعملها کتبها الله له عنده عشر حسنات الی سبع مائة ضعف الی أضعاف کثیرة، ومن هم بسیئة فلم یعملها کتبها الله له عنده حسنة کاملة، فان هو هم بها فعملها کتبها الله له سیئة واحدة (صحیح بخاری : ٦٤٩١، باب من هم بحسنة او بسیئة، کتاب الرقاق، مسلم: باب اذا هم العبد بحسنة کتبت واذا هم سیئة لم تکتب)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں مقدر کردی ہیں اور پھر انہیں صاف صاف بیان کردیا ہے پس جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا لیکن وہ اس پر عمل نہ کرسکا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک مکمل نیکی کا بدلہ لکھا ہے اور اگر اس نے نیکی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنے یہاں دس بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھی ہیں اور جس نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور پھر اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنے یہاں ایک نیکی لکھی ہے اور اگر اس نے بُرائی کا ارادہ کے بعد اس پر عمل بھی کرلیا تو اپنے یہاں اس کے لیے ایک برائی لکھی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے، وہ بندوں پر بڑا رحم وکرم کرنے والا ہے، نہایت ہی مشفق ومہربان ہے، اور حد درجہ چاہنے اور محبت کرنے والا ہے۔ اسی لیے اس نے اپنے فضل عظیم سے بندوں کو اجر وثواب اکٹھا کرنے کے بے شمار مواقع مہیا فرمائے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ انسان جب تک نیکی نہ کرے اسے اجر وثواب نہیں ملے گا بلکہ اگر کسی نے صرف نیکی اور بھلائی کا ارادہ ہی کرلیا گرچہ وہ نیکی اور بھلائی کا کام کسی وجہ سے نہ کرسکا تو اس پر بھی رب کریم اپنی بے پناہ رحمتوں سے اجر وثواب کا مستحق ٹھہراتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث پر جب غور کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ دین اسلام نے قلوب واذہان کی صفائی کی ترغیب دی ہے اور فکری بے راہ روی، گندی سوچ وفکر اور ہر قسم کی برائی پر قدغن لگایا ہے ساتھ ہی ساتھ اچھا کام کرنے والے کی حوصلہ افزائی اور نوازش کی بات کرتا ہے یہی نہیں بلکہ اگر کوئی شخص صرف اچھا اور بھلا سوچتا ہے تو اس کے اس اچھی اور بھلی سوچ اور ارادہ ونیت کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اجر وثواب کا مستحق ٹھہراتا ہے اور اس کی پذیرائی کرتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو یہاں تک کہ وہ اسے انجام نہ دے لے، جب اس کو کرلے تو پھر اسے اس کے برابر لکھو اور اگر اس برائی کو وہ میرے ڈر سے چھوڑ دے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھو اور اگر بندہ کوئی نیکی کرنا چاہے اور نہ کرسکے تو اس کے لیے اس نیک ارادہ ہی پر ایک نیکی لکھ دو اور اگر اس نیکی کو عملی جامہ پہنچادے تو اس جیسی دس نیکیاں اس کے لیے لکھو۔ دس نیکیاں سے لے کر سات سو نیکیاں تک اس کے لیے لکھ دو۔

ہمارے اسلاف ایسے ہی تھے۔ نیکی کے خواہاں وخوگر تھے۔ لیکن اس کے برعکس آج اگر مسلم معاشرہ کا جائزہ لیا جائے تو نیکی کے کام کرنا تو دور کی بات ہے نیکی اور بھلائی کی نیت کرنے والے بھی بہت کم افراد ملیں گے۔ درحقیقت یہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے جس کی بدولت ہمارے دل سیاہ ہوگئے ہیں جس کے پاداش میں ہمارے دلوں پر مہر لگادی گئی، اچھا کام کرنا تو درکنار اچھا سوچ بھی نہیں سکتے۔ حقیقت میں یہ اللہ کی بہت بڑی مار ہے کہ آج سماج ومعاشرہ میں اچھی سوچ وفکر اور خیر وبھلائی کے کام کرنے والے لوگ کم سے کم تر ہوتے جارہے ہیں۔ ایسے میں ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا ہوگا، دلوں کی صفائی کرنی ہوگی، برائیوں کو ترک کرنا ہوگا، اپنے اندر ایک دوسرے کے تئیں اچھا اور سچا سوچنے کا جذبہ رکھنا ہوگا ورنہ ہم روزانہ تاریکیوں کے دلدل میں پھنستے چلے جائیں گے۔ ایمان کی اینٹیں کھسکتی چلی جائیں گی اور ہم اتنا دور نکل چکے ہوں گے کہ احساس بھی نہیں ہوگا، جس طرح آج معاشرہ میں خال خال ہی ایسے لوگ ملیں گے جو خیر وبھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خاص طور پر دوسروں کے بارے میں اچھا سوچنا، بھلائی کا ارادہ کرنا، یہ بہت بڑی بات ہے۔ جبکہ دین اسلام کا مزاج یہ ہے کہ انسان اُسی وقت مکرم ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند فرماتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس نعمت عظمیٰ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں کا ارادہ کریں اور اس کو عملی جامہ پہنائیں اور برا سوچنے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے گریز کریں۔ ساتھ ہی اللہ سے دعا کریں کہ الہ العالمین ہم تمام لوگوں کو خیر وبھلائی کا ارادہ رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی خصوصی توفیق ارزانی فرما۔ وصلی الله علی النبی وسلم تسلیما ☆☆

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
ہجرت اور سنہ ہجری کا آغاز	۶
سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ- اہمیت وافادیت	۱۳
اہل جنت اور ان کا مقام ومرتبہ	۱۷
بچوں میں ڈپریشن (ذہنی دباؤ)	۲۱
فارغین مدارس کا تدریسی عمل سے بے رغبتی: اسباب وتدارک	۲۳
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۲۹
جماعتی خبریں	۳۰

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ۷/روپے
پاکستان ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

تمام انصاف پسندوں اور غیر متعصب مؤرخوں کے یہاں یہ بات معلوم ومسلم رہی ہے کہ ادوار ماضیہ اور قرون اولیٰ میں ایک تاریک ترین دور اور انسانی ادوار میں بجا طور پر جسے جاہلیت اولیٰ کا زمانہ کہا جاتا ہے وہ بعثت نبی رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت اور اس کے ماقبل کا زمانہ ہے۔ دنیا جہان کے جتنے شر وفساد ہو سکتے تھے اللہ کی دھرتی پر رونما ہو چکے تھے۔ اصلاح وفلاح کے سارے راستے مسدود ومفقود ہو چکے تھے۔ یاس ومحرومی کے بادل ہر سو منڈلا رہے تھے۔ امید ویقین کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی اور انسانیت اور خلق الٰہی کی ہدایت ورہنمائی، نجات وسرخروئی اور فوز وفلاح کا سلسلہ نبوت ورسالت عرصہ دراز سے منقطع ہو چکا تھا۔

نبی اتانا بعد یاس وفترۃ من
الرسل والاوثان فی الارض تعبد

انبیاء ورسل کے امتیوں اور قوموں کے علماء وصلحاء، قسیسین واحبار نے اپنا منصب ومقام بھلا دیا تھا۔ بلکہ خود اصلاح وتزکیہ کے اشد محتاج ہو چکے تھے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ دعوائے اصلاح وارشاد کے علمبر داران خود ضلالت وگمراہی کے علمبر دار اور ائمہ زیغ وضلال بن چکے تھے۔

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ "(التوبۃ: ۳۴) "اے ایمان والو! اکثر علما اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روک دیتے ہیں"

رہ گیا طبقۂ سلاطین وملوک جس کا اولین فریضہ قوم کی فلاح وبہبود اور رہبری وقیادت ہے تو اس کا حال پیشوایان دین وایمان، عبیدان درہم ودینار اور علماء سوء سے کسی طرح کم نہ تھا۔ دین وایمان اور دنیا وآخرت کے یہ دونوں ہی رہنما، رہزن امن وامان اور غارت گر دین وایمان بنے بیٹھے تھے اور بجا طور پر خلق الٰہی خصوصا انسانیت "الناس علی دین ملوکھم" کے تحت تاریخ کے تاریک ترین اور مظلوم ترین دور سے گذر رہی تھی اور کہنے والا صاف صاف کہہ

گیا اور ببانگ دہل اور برملا اعلان کرنے والا حق بجانب تھا کہ۔

وهــل افســد الــديــن الا الــمــلــوك
واحبـــــارســــوء ورهبـــــــانهــــــا

دین جو انسانیت کی دنیوی واخروی فوز وفلاح کا حقیقی ضامن ہے اسے دوطرح کے رہنماؤں کے ظلم وزیادتی اور شر وفساد کا سامنا تھا اور جسے ضائع وبرباد کر کے انسانیت کو قعر مذلت میں ڈھکیل دیا تھا، وہ علمائے سوء اور جابر وظالم حکمرانوں کے علاوہ کون ہوسکتا تھا؟ اس دور مظلم میں جو ’’ظلمات بعضها فوق بعض‘‘ کا منظر پیش کررہا تھا، علوم وفلسفہ، سائنس وٹیکنالوجی اور دیگر تعمیر وترقی کا وہ جلوہ جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا اور نہ ہی اس کے اسباب ووسائل، بلکہ اس کے خواطر ووساوس بھی نہ تھے۔ ’’وما خطر ببال احد‘‘ کی کیفیت وحالت تھی۔ ایسے میں ایک بداوت سے قریب، دیہاتیت کی دلدادہ، سذاجت وسادگی کی پروردہ وپرداختہ، حضارت وتمدن سے دور، علوم وفلسفات سے بعید اور ہر طرح کی ایجادات واختراعات سے ناآشنا، امی اوران پڑھ قوم، جو زراعت کے سادہ سا پیشے سے جڑی ہوئی، اونٹوں کی گلہ بانی کرنے والی، بھیڑ اور بکریوں کی چرانے والی اور معمولی سامان تجارت اور متاع قلیل کالین دین کرنے والی تھی اور جسے صرف اللہ جل شانہ کی آخری کتاب قرآن اور اس کے آخری پیغمبر خاتم النبیین محمد الرسول ﷺ کی احادیث مبارکہ، سنن نبویہ اور سیرت طیبہ عطا کردی گئی تھیں جنہیں مضبوطی سے تھام کر عرب کے یہ بادیہ نشین، بیابانوں کے مکین، پہاڑوں اور ریگستانوں کے رہین، سادگی ووفاداری، سخاوت وشجاعت اور عہد وپیمان کے امین اور قرآن وحدیث کے حاملین نے دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کو تہذیب وتمدن کا گہوارہ بنادیا اور تعمیر وترقی کے اعلیٰ مقام پر فائز کردیا۔ اخلاق وکردار کے یہ پیکر قوموں کو سب سے بڑے جو ہر وزینت اور وقار سے مزین وباوزن کرگئے۔

وانـمـا الامـم الاخـلاق مـا بـقـيـت
فـان هـمـوا ذهـبـت اخـلاقـهـم ذهـبـوا

یہ سب سے بڑا اصل وجوہر تھا جس سے عرب کے ان بادیہ نشینوں نے سارے عالم کو آشنا فرمادیا۔ اور اس پر فائز ہونے کے بعد ہی دنیا کی کوئی بھی قوم حقیقی معنوں میں مہذب ومتمدن اور متحضر، ترقی یافتہ اور عظیم قوم کہلانے کی مستحق ہوئی ہے اور چشم فلک نے پہلی بار اپنی بوڑھی مگر روشن آنکھوں سے مشاہدہ کیا، زمینوں اور آسمانوں نے بیک زبان گواہی دی، درندوں اور چرندوں نے باہم شیر وشکر ہوکر ایک ہی گھاٹ سے شیریں چشموں اور میٹھے دریاؤں کے پانی پیے اور اللہ کی زمین ’’ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ‘‘ (الروم:۴۱) ’’خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا‘‘ کے ظلمت انگیز، ظلم ریز، گھٹن آمیز اور ہلاکت خیز دور سے نکل کر امن وشانتی، تعمیر وترقی، امن وسکون اور فوز وفلاح کے مقام اعلیٰ اور سنہرے دور وزمانہ میں تبدیل ہوگئی۔ اور روئے زمین کے باسی اللہ پر ایمان ویقین رکھنے والوں کے وجود سے اس کی خوشخبری اور خوشنودی کے سزاوار ٹھہرے۔ ’’وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ‘‘ (الاعراف:۹۶) ’’اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے‘‘ آج انسانیت کو اسی ایمان اور اسی سنت وقرآن کی پھر ضرورت ہے۔ کیونکہ دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود زمین کے حقیقی جانشین انسانوں پر تنگ ہوچکی ہے۔ شر وفساد کا دور دورہ ہے۔ ظلم وتعدی اور ہلاکت وفلاکت کا بازار گرم ہے۔ انسانیت کل دوراہے پر کھڑی تھی اب مکمل طور پر مادیت زدہ ہوکر صرف ہلاکت کے راستے کی طرف لپک اور چل پڑی ہے۔ اگر بڑی تیزی سے بڑھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑا گیا تو شاخ نازک پہ بنا ہوا یہ آشیانہ یہی نہیں کہ ناپائیدار ثابت ہوگا بلکہ یہ ہزاروں کوندتی ہوئی بجلیاں، چمکتے ہوئے تارے، اونچی اڑان بھرتے ہوئے سیارچے، اور ٹنوں اور منوں کی تعداد ومقدار میں بے تکان بنائے اور ذخیرہ کئے ہوئے یہ ایٹم بم اور برق رفتار سواریاں، ساز وسامان اور ایجادات واختراعات، وشر مستطیر اور فتنہ ہائے دراز ثابت ہوں گے۔ جس سے انسانیت کا قلعہ منہدم ہوجائے گا اور اس برق وبخارات اور زمینی وآسمانی، شمسی وسمندری قوتیں اور شعاعیں اور غوطائیں رہی سہی انسانیت کو بھسم کرکے اتھاہ سمندروں کی قعر ناہنجار میں پہنچادیں گی۔

ماہ محرم الحرام جس کا آغاز ہوچکا ہے یہ ان چار مہینوں میں سے ہے جن کو اللہ رب العزت نے خود محترم قرار دیا ہے۔ یہ اسلامی کلینڈر کا پہلا مہینہ ہے۔ اسلامی کیلنڈر کو سنہ ہجری کہا جاتا ہے۔ سنہ ہجری ہماری بنیاد ہے اور ہماری قومی وملی زندگی میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کو سن ہجری اس لیے کہا جاتا ہے کہ

اس کی ابتدا سیرت نبوی ﷺ کے اس عظیم الشان واقعہ سے ہوئی ہے جس نے مسلمانوں کی قومی وملی زندگی کو یاس ومحرومی کے بعد امید وبیم اور مایوسی وحرمانی کے بعد زندگی وجوانی سے ہمکنار کیا تھا۔ بلکہ جہاں سے ان کی حقیقی اسلامی اورانسانی زندگی کی نیو پڑی تھی وہ واقعہ ہجرت ہے۔

قوموں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے یہاں رائج کیلنڈروں کا آغاز کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا، یا کسی بڑے حکمراں کی تخت نشینی، یا کسی بڑی جنگی فتح وظفر سے ہوا۔لیکن اسلامی سنہ کا آغاز واقعہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا۔جس میں نہ جشن طرب ہے، نہ فتح مندی کا غرور اور نہ ہی قومی وجغرافیائی عنصریت وعصبیت کا مظاہرہ۔ بلکہ یہ واقعہ اپنے جلو میں اسلام کی بے سروسامانی، محرومی اور بے بسی کی داستان خون چکاں لئے ہوا تھا۔اس سب کے باوجود واقعہ ہجرت کو اسلامی کیلنڈر کا نقطہ آغاز بنایا گیا جو کہ صحابہ کرام کی اعلیٰ درجے کی بصیرت، بے مثال تربیت، دینی غیرت وحمیت، قومی وملی اور اجتماعی مزاج وشعور کی عکاسی کرتا ہے۔حالانکہ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت، نبوت، بدروحنین اور فتح مکہ وغیرہ کی عظیم یادگاریں تھیں جن سے دیگر قوموں کی روش کے مطابق اپنی تاریخ کی شروعات کر سکتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ صحابی جلیل حضرت ابوموسیٰ اشعری نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ کو لکھا کہ آپ کی طرف سے ہمارے پاس خطوط آتے ہیں لیکن ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔ اور یہ وہ وقت تھا جب حضرت عمر نے حکومت کے مختلف شعبے قائم کر دیئے تھے اور ضبط اوقات کے لیے محسوس کرتے تھے کہ کوئی تاریخ مقرر کی جائے۔حالانکہ ان کے سامنے دیگر قوموں کی تاریخ موجود تھی جن کو اختیار کرنا انھیں پسند نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے جب ان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔تو آپ نے باضابطہ طور پر قرآنی تعلیمات، اسوۂ نبوی ﷺ اور اب تک کی اپنی اور ان کے پیش رو خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق صحابہ کرام کو جمع کر کے تقرر سنہ کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا۔ چنانچہ کسی نے کہا کہ ولادت نبوی سے آغاز ہو، تو کسی نے بعثت نبوی، تو کسی نے فتح مکہ سے آغاز کرنے کا مشورہ دیا۔لیکن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنے کا مشورہ دیا۔ جسے سیدنا عمر فاروق نے پسند کیا اور سارے صحابہ کرام نے جس سے اتفاق فرمایا۔ چنانچہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز واقعہ ہجرت سے کیا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ایک اشارہ پر آپ کے جانثار صحابہ نہایت بے سروسامانی اور بے بسی کے عالم میں اللہ ورسول کی محبت سے سرشار ہو کر اور کتاب وسنت کی مشعل تھامے ہوئے انسانیت کی خیر وفلاح کے جذبے سے نکل پڑے تھے اور اپنے گھر وبار اور خویش واقارب کو چھوڑ دیا تھا۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ امت مسلمہ اپنی تاریخ کیا یاد رکھتی کہ اسلامی کیلنڈر کو ہی فراموش کر بیٹھی ہے تو بھلا پھر کیسے وہ اس عظیم واقعہ کی یاد تازہ رکھ سکتی ہے جو مجبوروں، مزدوروں اور مظلوموں کی عزت واقتدار اور انصاف کا پیش خیمہ ثابت ہوا تھا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ امت اپنی تاریخ کو یاد رکھے اور اپنے روز وشب میں ہجری تاریخ وسنہ کا اہتمام کرے۔لیکن اس سب سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ واقعہ ہجرت کو پس منظر میں ڈال کر ایسے حادثہ کی یادگار کے طور پر ماہ محرم کو پیش کیا جاتا ہے کہ گویا ماہ محرم اسی کے شیون وماتم کے لیے ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر واقعہ ہجرت کو امت نے بھلا دیا نہ ہوتا اور اس کی قدر وقیمت اور اس کے لیے جانفشانی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئی ہوتی اور خلفائے راشدین خصوصا خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور خلیفہ رابع سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی سنت سے یہ سبائی روگردانی نہیں کرتے تو کوفیوں کے ہاتھوں اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ یہ حادثہ فاجعہ بھی پیش نہیں آتا اور جنت کے پھول، نوجوانوں کے سردار اور نبی کے نواسے کو بلوائیوں اور سبائیوں کے ظلم وزیادتی اور دھوکہ دہی کی پاداش میں اپنے خون شہیداں سے تاریخ عزیمت رقم نہیں کرنی پڑتی جس کا شیون وماتم امت کا ایک طبقہ پیغام ہجرت کو بھلا کر آج تک کر رہا ہے اور اس کو دین وایمان اور کفر واسلام کا مسئلہ بنا کر سنت خلفائے راشدین خصوصا عمر وعلی، وعشرہ مبشرہ کو یکسر بھلا دیا ہے۔اور اسلامی تاریخ میں سب سے عظیم الشان واقعہ جسے امت نے بطور تقویم وکلنڈر متعین وقبول فرمایا تھا اور جو اس کی عظیم الشان وتابناک تاریخ کا پیش خیمہ ثابت ہوا تھا اسے فراموش کر دینے کی وجہ سے مہاجرت، رفیوجیت اور اجنبیت کی زندگی گذارنے پر مجبور ہے۔ کاش کہ امت پھر ہجرت کے سبق کو یاد کرتی اور دور اول کی یاد تازہ کر دیتی! پھر تو امت اور انسانیت کی کشتی منجدھار سے نکل کر پار لگ جاتی۔

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

☆☆☆

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

ہجرت اور سنہ ہجری کا آغاز

وحدثنی یا سعد عنہا، فزدتنی
جنونا، فزدنی من حدیثک یا سعد!

واقعہ ہجرت کی عظمت: آج جب کہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں محرم (محرم ۱۳۴۶ھ، جولائی ۱۹۲۷ء) کی تیرہویں تاریخ ہے۔ پورے تیرہ، دن اس واقعے پر گزر چکے ہیں کہ پچھلا ہجری سال ختم ہو چکا اور نیا سال شروع ہو چکا ہے لیکن ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے غور کیا ہوگا کہ اس سالانہ اختتام وآغاز میں تاریخ عالم کے کیسے عظیم اور انقلاب انگیز واقعے کی یاد پوشیدہ ہے؟ وہ عظیم واقعہ، جس کی یادآوری سے بڑھ کر تاریخ اسلام کے کسی بھی واقعے میں ہمارے لیے عبرت کی عظمت اور موعظت کی سرچشمگی نہیں تھی، مگر جس واقعے سے بڑھ کر تاریخ اسلام کا کوئی بھی واقعہ ہماری یادداشت سے دور اور ہمارے دل کی اثر پذیریوں سے مہجور نہیں ہو گیا۔

جماعتی حافظہ اور اس کا مزاج: انفرادی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے اخلاق اور سیرۃ (کیریکٹر) کا اندازہ اس کے حافظے کی رفتار سے کر لیا جا سکتا ہے۔ ایک نیک سیرت آدمی کے حافظے میں غیر ضروری اور بری باتوں کی یادداشت کے لیے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی، لیکن ضروری اور اچھی باتیں وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔ برخلاف اس کے ایک بداخلاق آدمی کو کتنی ہی کارآمد اور اچھی باتیں سنائی جائیں، لیکن اس کے حافظے میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں نکلے گی۔ وہ صرف بیکار اور بری باتیں ہی یاد رکھ سکتا ہے۔

یہی حال جماعتوں اور قوموں کے دماغ کا بھی ہے۔ ان کے ادبار وتنزل کی ایک بہت بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ جماعتی حافظے کا مزاج بالکل الٹ جاتا ہے۔ جو باتیں یاد رکھنی چاہئیں، وہ اس طرح بھلادی جاتی ہیں کہ بار بار یاددلا کے بھی یاد نہیں آتیں اور جو باتیں بھلادینی چاہئیں، وہ نہ صرف یاد رکھی جاتی ہیں بلکہ ان کی یادآوریوں کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہے کہ بھلانے کی کتنی ہی کوششیں کی جائیں، کبھی بھلائی نہیں جا سکتیں۔

صدر اول کے مسلمان اور موجودہ مسلمان: صدر اول کے مسلمانوں کی مذہبی اور اجتماعی زندگی سے موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ کرو تو اس حقیقت کی سب سے واضح مثال سامنے آجائے گی۔ اس وقت مسلمان اٹھتے بیٹھتے جو باتیں یاد رکھا کرتے تھے، آج کسی کو ان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اور جو باتیں آج کل بے شمار تقریروں، تہواروں، یادگاروں اور اجتماعوں کے ذریعے یاد رکھی جاتی ہیں، یہ اس وقت کسی مسلمان کے وہم وگمان میں بھی نہیں گزری ہوں گی۔ اس وقت ان کا حافظہ صرف وہی چیزیں یاد رکھنا چاہتا تھا، جن کی یادداشت میں ان کی قومی زندگی کے لیے عبرت وموعظت تھی۔ آج ہمارا حافظہ صرف وہی باتیں یاد رکھنا چاہتا ہے جن کی یادداشت میں قومی زندگی کے لیے غفلت واعراض ہے۔ وہ (صدر اول کے مسلمان) ان چیزوں کو بھول نہیں سکتے تھے، جنھیں یاد رکھنا چاہیے۔ ہم ان چیزوں کو بھلا نہیں سکتے، جنھیں ہمیشہ کے لیے بھلا دینا چاہیے۔

سارت مشرقۃ وسرت مغربا
شتان بین مشرق ومغرب

فتح مندیوں کا بیج: تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ جس کی یاد سال کے اس اختتام وآغاز میں پوشیدہ ہے۔ ہجرت نبوی کا واقعہ ہے، کیونکہ پہلی محرم سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے اور اس کی بنیاد واقعہ ہجرت پر رکھی گئی ہے۔ ہر سال جب ۳۰ ذوالحجہ کا دن ختم ہوتا اور پہلی محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے، تو وہ اس عظیم واقعے کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دینا چاہتا ہے۔ یہ فی الحقیقت اس واقعے کی ایک جاری وقائم یادگار ہے۔

یہ دنیا کی تمام قوموں کی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں، بلکہ کمزوری کی فتح مندیوں کی یادگار ہے۔ یہ اسباب ووسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں، بے سروسامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہے۔ یہ طاقت اور حکومت کے جاہ وجلال کی یادگار نہیں، محکومی وبے چارگی کے ثبات واستقلال کی یادگار ہے۔ یہ فتح مکہ کی یادگار نہیں، جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا، یہ فتح مدینہ کی یادگار ہے، جسے تلواروں کی چمک نے نہیں، بلکہ ایک آوارۂ غربت اور بے سروسامان انسان کی روح ''ہجرت'' نے فتح کیا تھا۔ تم نے بدر کی جنگی فتح اور مکہ کے مسلح داخلہ کی شان وشوکت ہمیشہ یاد رکھی ہے، لیکن تم نے مدینہ کی بے ہتھیار فتح فراموش کر دی، حالانکہ تاریخ اسلام کی ساری آنے والی فتح مندیاں اسی اولین فتح میں ایک بیج کی طرح پوشیدہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ظاہری فتح مندیوں کے اعلان کا وقت آیا تھا تو اس وقت اسی معنوی فتح مندی کی یاد لوگوں کو دلائی گئی تھی۔

"ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ" (التوبہ: ۴۰)

دو میں دوسرا (اللہ کا رسول) تھا اور دونوں غار میں چھپے بیٹھے تھے اس وقت اللہ کے رسول نے اپنے ساتھی سے کہا تھا غمگین نہ ہو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اپنا سکون وقرار اس پر نازل کیا، پھر ایسی فوجوں سے مدد گاری کی جنھیں تم نہیں دیکھتے اور بالآخر کافروں کی بات پست کی اور اللہ ہی کی بات ہے جس کے لیے بلندی ہے۔

تذکار محرم: اس ہجری سنہ کے ساٹھویں برس کربلا کا حادثہ ظہور میں آیا۔ یہ حادثہ اس درجہ المناک اور دردانگیز تھا اور اس کے سیاسی اثرات اس درجہ قوی اور وسیع تھے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اس کی یاد ایک ماتمی یادگار کی حیثیت اختیار کرتی گئی۔ یہاں تک کہ محرم کے دور کی تمام یادآوری صرف اسی حادثہ کے تذکرہ وتالم میں محدود ہوگئی اور دوسرے تمام پہلو یک قلم فراموش کردیے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ حادثہ کربلا کی المناکیاں اور عبرت انگیزیاں ناقابل فراموش ہیں، لیکن ہمارے جماعتی ذہن وفکر کی یہ بہت بڑی غفلت ہوگی، اگر اس حادثہ کے استغراق میں تذکرہ واعتبار کے دوسرے پہلو فراموش کردیے جائیں۔ یہ سنہ ہجری کے ساٹھویں برس کے ایک واقعے کی تذکار ہے لیکن خود سنہ ہجری کے پہلے برس کی تذکار سے کیوں چشم بصیرت بند کرلی جائے؟

سنہ ہجری کی ابتداء: اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں متعدد سنہ جاری تھے۔ زیادہ مشہور یہودی، رومی اور ایرانی سنین تھے۔ عرب جاہلیۃ کی اندرونی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب وکتاب کی کسی وسیع پیمانے پر ضرورت ہوتی۔ اوقات ومواسم کی حفاظت اور یادداشت کے لیے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اس سے وقت کا حساب لگا لیتے۔ منجملہ سنین جاہلیۃ کے ''عام الفیل''، یعنی شاہ حبش (مراد ہے ابرہہ کا حملہ جو شاہ حبش کی طرف سے یمن کا حاکم تھا) کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال۔ عرصے تک یہی واقعہ عرب کے حساب وکتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا۔ ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی۔ صحابہ کرام کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلام کے واقعات میں سے کوئی ایک اہم واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب لگاتے۔ ہجرت مدینہ کے بعد ہی سورہ حج کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں قتال کی اجازت دی گئی تھی: "اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ" (حج: ۳۹) (جن مومنوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انھیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی رخصت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔) اس لیے کچھ دنوں تک یہی واقعہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ لوگ اسے ''سنہ اذن'' سے تعبیر کرتے اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یادداشت میں کام دیتی۔ اسی طرح سورہ برأۃ کے نزول کے بعد بول چال میں ''سنہ برأۃ'' کا بھی رواج رہا۔ عہد نبوی کا آخری سنہ ''سنۃ الوداع'' تھا، یعنی آنحضرت ﷺ کے آخری حج کا واقعہ جو ''حجۃ الوداع'' کے نام سے مشہور ہوگیا تھا اور ہجرت کے دسویں سال پیش آیا تھا۔ بعض روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتا چلتا ہے مثلاً سنۃ الخمیص، سنۃ الترفئہ، سنہ الزلزال، سنۃ الاستیناس۔ بیرونی نے آثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا ذکر کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک یہی حالت جاری رہی، لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب وکتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ اس معاملے پر غور کیا گیا اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا۔ اس وقت تک واقعہ ہجرت پر سولہ برس گزر چکے تھے۔

احساس ضرورت اور مشورہ: سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا تو کیوں حضرت عمرؓ اور تمام صحابہ کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا واقعہ ہجرت سے کی جائے؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز مبحث تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک نظر وفکر سے محروم رہا۔

اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور روایت میمون بن مہران کی ہے جسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا جس میں شعبان کا مہینہ درج تھا حضرت عمرؓ نے کہا: شعبان سے مقصود کون سا شعبان ہے؟ اس برس کا یا آئندہ برس کا؟ پھر آپ نے سربرآوردہ صحابہ کو جمع کیا اور ان سے کہا، اب حکومت کے مالی وسائل بہت زیادہ وسیع ہوگئے ہیں اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہوجاتا ہے لہٰذا ضروری ہے، حساب وکتاب کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہوسکیں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ ان کے یہاں اس کے طریقے کیا تھے؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو بلایا۔ اس نے کہا: ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہے جسے ''ماہ روز'' کہتے ہیں۔ اسی ماہ روز کو عربی میں ''مورخہ'' بنالیا گیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لیے جو سنہ اختیار کیا جائے؟ اس کی ابتدا کب سے ہو؟ سب نے اتفاق کیا کہ ہجرت کے برس سے کی جائے۔ چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا (تاریخ کبیر، ذہبی وتاریخ مصر مقریزی)

دوسری روایت: ابن حبان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت نقل کی ہے۔ اس میں ایک دوسرے واقعے کا ذکر کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس یمن سے ایک عامل آیا تھا، اس نے کہا لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ تاریخ نہیں لکھتے۔ اس طرح کہ فلاں بات فلاں سنہ میں، سنہ کے فلاں مہینے میں ہوئی۔ اس پر حضرت عمرؓ اور لوگوں کو اس معاملے کا خیال ہوا۔ پہلے انہوں نے ارادہ

کیا کہ آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت سے سنہ کا حساب شروع کردیں پھر خیال ہوا کہ آپ کی وفات سے شروع کیا جائے لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرت سے سنہ کا تقرر ہو۔

ان روایات کی مزید تشریح امام شعبی کی روایت سے ہوتی ہے جو محبّ طبری نے نقل کی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ

ان ابا موسى الاشعرى كتب الى عمر انه تاتينا منك كتب ليس لها تاريخ وقد كان عمر دون الدواوين ووضع الاخرجة واحتاج الى تاريخ ولم يحب التاريخات القديمه فجمع عليه عنه ذلك واستشار الناس فاتفقوا على ان يكون المبداء من الهجرة (رياض النضرة)

ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ آپ کی جانب سے ہمارے نام خطوط آتے ہیں مگر ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کے مختلف دفاتر قائم کردیئے تھے اور خراج کے اصول وقواعد طے پا گئے تھے اور اس سے محسوس کررہے تھے کہ ضبط اوقات کے لیے ایک خاص تاریخ قرار پا جائے۔ پرانی تاریخیں موجود تھیں لیکن وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ انھیں اختیار کریں۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے لکھا تو انھیں زیادہ توجہ ہوگئی۔ صحابہؓ کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ مشورہ میں سب کی رائے یہی قرار پائی کہ ہجرت کا واقعہ بنیاد ٹھہرا کر سنہ ہجری اختیار کیا جائے۔

حضرت علیؓ کی رائے: ابوہلال عسکری نے ''الاوائل'' میں اور مقریزی نے تاریخ میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ واقعہ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ:

جمع عمر الناس فسالهم من اى يوم يكتب التاريخ؟ فقال على بن ابى طالب من يوم هاجر رسول الله وترك مكة ففعله عمر (کتاب الاوائل قلمی ومقریزی طبع ثانی جلد۲ صفحہ ۵۶)

جب حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کس دن سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا: اس دن سے جس دن آنحضرت ﷺ نے ہجرت کی اور مکہ سے مدینہ آئے۔

یعقوبی نے بھی اسے منجملہ ان امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علی کی رائے سے انجام پائے۔ ۱۶ھ کے واقعات میں لکھتا ہے:

وفيها ارخ عمر الكتب واراد ان يكتب التاريخ منذ مولد رسول الله ثم قال من المبعث، فاشار عليه على ابن ابى طالب ان يكتبه من الهجرة، فكتبه من الهجرة (جلد۲: صفحه ۱۶۶) اسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لیے ایک تاریخ قرار دے دی جائے، پہلے انھیں خیال ہوا آنحضرت کی ولادت سے شروع کریں پھر خیال کیا آپ کی بعثت کے واقعہ سے ابتدا کی جائے لیکن حضرت علیؓ نے رائے دی کہ ہجرت سے شروع کرنا چاہیے۔

قومی سنہ کی ضرورت واہمیت: ان روایات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہے کہ بعض امور پر غور کیا جائے: سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی، ایک نیا سنہ قرار دیا جائے؟ امام شعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ تاریخ کے تعین وتقرر کی ضرورت محسوس کررہے تھے لیکن پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں۔ پہلی روایت میں جس ہرمزان کو بلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہے، یہ خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہوکر مدینہ میں مقیم ہوگیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی مجالس شوریٰ میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے۔ (بلاذری وطبری وغیرہما) بیرونی لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اس سے مشورہ کیا تو اس نے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقے کی بھی تشریح کی۔ ایرانیوں کے یہاں آخری سنہ یزدگرد سنہ تھا اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر کی پیدائش سے شروع ہوتا تھا۔ بعض اصحاب کو خیال ہوا انھی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کرلیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ اور لوگ اس سے متفق نہ ہوئے۔ (بیرونی نے یہ تفصیل بن مہران کی روایت کے سلسلے ہی میں پیش کی ہے اور اس کے الفاظ روایت مندرجہ متن سے مختلف ہیں چونکہ اس نے کوئی تخریج درج نہیں کی تھی اس لیے حسب اصول فن روایت اس سے ایسا استدلال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لیے ہم نے اوپر کی روایتوں میں اسے شامل نہیں کیا (الآثار الباقیہ صفحہ ۳۰) اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں اور رومیوں کے سنین مجمع صحابہؓ میں زیر بحث رہے اور بعض نے اسے اختیار کرنے کی رائے بھی دی لیکن عام رجحان اس طرف تھا کہ نیا سنہ مقرر کرنا چاہیے۔

اجنبی سنہ سے اجتناب کیوں؟ اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ سنہ کی ضرورت اور استعمال کی بڑی جگہ حساب وکتاب کے دفاتر تھے اور حضرت عمرؓ نے بہ اتفاق صحابہؓ، دفاتر کے لیے وہی زبانیں اختیار کرلی تھیں جو پیشتر سے مفتوحہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لیے فارسی، شام کے لیے سریانی اور مصر کے لیے قبطی تھی (مسعودی وبلاذری) ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لیے ایران وشام کی زبانیں اختیار کرلی گئی تھیں تو قدرتی طور پر سنہ بھی وہی اختیار کرلینا تھا جو ان زبانوں کے حساب وکتاب میں رائج تھا واراس کے قواعد بندھے چلے آتے تھے لیکن حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے ایسا نہیں کیا۔ ایران اور روم ومصر کی زبانیں اختیار کرلیں۔ مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔ غور کرنا چاہیے، اس اجتناب کی علت کیا تھی؟

کشادہ دلی کی روشن مثالیں: یہ علت تو قطعاً نہیں ہوسکتی کہ صحابہ کرامؓ محض قومی تعصب اور تنگ دلی کی بناپر دوسری قوموں کی اچھی اور کارآمد باتوں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ اولاً اس بارے میں خود اسلامی احکام کا یہ حال ہے کہ رکاوٹ کی جگہ صریح ترغیب دی گئی ہے ثانیاً اس عہد کے بے شمار واقعات

موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعصّبات کو اس وقت کے مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ دنیا کے تمام علمی وتمدنی ذخیرے کو خواہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنا قومی ورثہ سمجھتے تھے۔ خود اس عہد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی اور تمدنی اصول معلوم کیے ہیں اور ان میں جو باتیں کارآمد اور ضروری نظر آئی ہیں بلا تامل اختیار کر لی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آتا، وہ ایرانیوں، رومیوں اور مصریوں کو بہ اصرار طلب کراتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ دفاتر حکومت کی تقسیم، خراج ومحصول کا تعین، اراضی کی پیائش اور تشخیص، خزانے کا قیام، حساب وکتاب کے اصول وقواعد اور اسی طرح کے بہت معاملات ہیں جن میں ایرانی اور رومی قواعد کا تتبع کیا گیا۔ فقہ کا ایک اہم باب فرائض ہے یعنی ورثہ کی تقسیم کے اصول وقواعد، چونکہ اس کا تعلق فن حساب سے ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے چاہا اس کے قواعد کی ترتیب ودرستگی کے لیے ایک ماہر حساب سے مدد لی جائے۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس غرض سے ایک رومی مسیحی مدینہ میں طلب کیا گیا تھا۔ طلبی کے فرمان میں والی شام کو جو الفاظ لکھے تھے وہ یہ ہیں ابعث لنا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا ایک رومی کو بھیج دو تا کہ وہ ہمارے فرائض کا حساب استوار کردے۔ (صراط مستقیم، حافظ ابن تیمیہ) جب حضرت عمرؓ کو فرائض جیسے شرعی مسئلے کے حساب میں ایک رومی عیسائی سے مدد لینا ناگوار نہ ہوا تو ظاہر ہے کہ ایرانی یا رومی سنہ کے اختیار کر لینے میں قومی تعصب کیوں مانع ہوتا جس کا تعلق صرف حساب وتاریخ سے ہے؟ انہوں نے ایرانی اور رومی سنین جیسے مدون ورائج سنہ چھوڑ دیے اور ایک نیا سنہ از سر نو قائم کیا۔

صحابہ کرام کے دماغ کا سانچا: اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم و تربیت نے صحابہ کرام کا دماغ جس سانچے میں ڈھال دیا تھا، وہ ایسا سانچا تھا جس میں دوسرے درجے کا کوئی خیال سما ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اول درجہ کے خیالات کے لیے تھا۔ بہت ممکن ہے دنیا کے تمدنی علوم وفنون کے رائج نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی بات علمی طریقوں اور مصطلحہ لفظوں میں ادا نہ کر سکتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ایک بات کی علت اس شکل وصورت میں نہ دیکھتے ہوں جس صورت میں آج دنیا دیکھ رہی ہے، لیکن ان کی طبیعت کی افتاد اور ذہنیت کی روش کچھ اس طرح کی بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملے پر سوچ بچار کرتے تھے تو خواہ علت وموجب سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں لیکن دماغ جاتا اسی طرف تھا جو علم وحکمت کے لیے بہتر سے بہتر اور بلند سے بلند پہلو ہو سکتے ہیں۔ یہی معنی ہیں انبیائے کرام کے مقام ''تزکیہ'' کے کہ ''وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' (جمعہ:۲) ''ان کے اخلاق کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے''۔ یعنی دل ودماغ کی اس طرح تربیت کر دی جاتی ہے کہ ایک موزوں اور مستقیم سانچا ڈھل جاتا ہے۔ اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اس میں رکھی جائے گی وہ قبول نہیں کرے گا اور موزوں چیزیں ہی اس میں سما سکتی ہیں۔

قومی زندگی کی بنیادی اینٹ: اسلام کی تربیت نے صحابہ کے دل ودماغ میں قومی شرف وخودداری کی روح پھونک دی تھی۔ قومی زندگی کی بنیادیں جن اینٹوں پر استوار ہوتی ہیں ان میں سے ایک ایک اینٹ کے لیے ان کے اندر پہچان اور لگاؤ تھا اگرچہ وہ لفظوں اور تعبیروں میں انہیں بیان نہ کر سکیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس کی تو اگرچہ متمدن اقوام کے سنین رائج ومستعمل تھے لیکن انکی طبیعت ان کی طرف مائل نہ ہو سکی۔ اس لیے کہ ایسا کرنا نہ صرف قومی شرف وخودداری کے خلاف تھا، بلکہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کھو دینی تھا۔

قومی زندگی کے بنیادی مقومات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے جو قوم اپنا قومی سنہ نہیں رکھتی، وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی۔ قوم کا سنہ اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحہ عالم پر اس کے اقبال وعروج کا عنوان ثبت کر دیتا ہے۔ یہ قومی زندگی کے ظہور وعروج کی ایک جاری وقائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی۔ کیونکہ سورج کے طلوع وغروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے۔ آج آگسٹس، بکرماجیت، جلال الدین ملک شاہ اور اکبر اعظم کے نام ان کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہمارا حافظہ ان سے گردن نہیں موڑ سکتا۔

سنہ اپنا ضروری تھا: ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک ایسا اہم معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کے سامنے آتا اور ان کا دماغ غلط فیصلہ کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی تربیت غلط ہو جاتی۔ کچھ ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے اس احساس کی کوئی توجیہ وتعلیل بھی کی ہو۔ نتائج تعبیر اور تعلیل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کر سکے۔ وہ باوجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی وتمدنی چیزیں قبول کر لینے کے ان کا سنہ قبول نہ کر سکے۔ خود بخود ان کی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سنہ سب سے الگ اور ایسا ہونا چاہئے، جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قومی واقعے پر ہو۔ انہوں نے اپنے دفتروں کے لیے ایرانیوں اور رومیوں کی زبان لے لی، ان کے حساب وکتاب کے قواعد قبول کر لیے، ان کے حساب کی مصطلحات اور اشارات سے بھی انکار نہیں کیا، لیکن سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ یہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں ایک اینٹ تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ یہ اپنی ہو اور اپنے ہی ہاتھ سے رکھی جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اسلام نے جو ذہنیت ان کی پیدا کر دی تھی، اسے یہی کرنا تھا۔

متاخرین کی تعلیل وتوجیہ: افسوس ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کی تاریخ کا چہرہ، متاخرین کی نقاشیوں سے اپنے اصلی خال وخط کھو چکا

ہے۔ ہر عہد کا مورخ دراصل اسی عہد کی دماغی آب و ہوا کا مخلوق ہوتا ہے اس لیے سلف کے واقعات کی تصویر کھینچتے ہوئے اسی رنگ و روغن سے کام لیتا ہے جو اس کے عہد کی آب و ہوا مہیا کرسکتی ہے۔ اسلام کی حقیقی اجتماعی زندگی کا اصلی دور صحابہ کرام کے عہد پر ختم ہوگیا اور اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، اس دور کی معنوی خصوصیات مفقود ہوتی گئیں۔ متاخرین اہل نظر وقلم کا زمانہ آیا تو یہ وقت تھا، جب صدر اول کی دماغی آب و ہوا کی جگہ بالکل ایک مختلف قسم کی فضا نشو ونما پا چکی تھی اس لیے ان مصنفوں نے جب اس عہد کے حالات پر قلم اٹھایا تو بجائے اس کے کہ اس عہد کا ذوق ومزاج پیدا کر کے اس کا مطالعہ کرتے، اپنے عہد کے پیدا شدہ ذوق کے رنگ میں اس کی ہر بات ڈالی۔ تاریخ ہی پر موقوف نہیں ہر گوشے تک اس معاملے کے اثرات پہنچے، حتی کہ فقہ واحکام تک کا گوشہ بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اگر عہد صحابہ سے لے کر آخری عہد تدوین کتب کی کتابیں مسلسل موجود ہوتیں اور صدیوں کی ترتیب کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جاسکتی تو صاف نظر آجاتا کہ صدر اول کے واقعات ومعاملات بعد کے ہر عہد میں نئے نئے لباس بدلتے آئے ہیں اور ان کی تعبیر نیز الفاظ کی جزئیات میں ہر عہد کی ذہنی خصوصیات کا پرتو موجود ہے مثلاً اگر تیرہ صدیوں کی تیرہ مسلسل تاریخیں موجود ہوتیں تو تم انگلی رکھ کر بتلا سکتے کہ صدر اول کے ایک ہی واقعہ نے اپنی جزئیات وصورت میں کس طرح تیرہ مختلف لباس پہن لیے ہیں۔

ایک مثال: بطور مثال کے اسی واقعے پر نظر ڈالی جائے، امام شعبی کی روایت میں صاف موجود ہے ''ولم یحب التاریخات القدیمة'' یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک تاریخ کے تعین کی ضرورت محسوس کر رہے تھے مگر پسند نہیں کرتے تھے کہ قدیم تاریخیں اختیار کریں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کی تاریخ کا اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور یہ معاملہ ان کی نظر میں ایسا تھا جس کے لیے ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی ایک قومی تاریخ قرار دی جائے لیکن بعد کے مورخین نے اپنے ذوق ومیلان طبع کے مطابق اس کی توجیہیں شروع کردیں۔ واقعے کی اصلی علت پر تو نظر نہیں گئی۔ نئے نئے معنی پہنانے لگے میں یہاں صرف دو عہدوں کی دو مختلف نظروں کا ذکر کروں گا۔

''نسی'' اور ''کبیسہ'': علامہ مقریزی نے نویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی بے نظیر تاریخ مصر لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام نے ایرانی اور رومی تاریخ پسند نہیں کی، کیونکہ دونوں کے حساب میں کبیسہ تھا (یعنی دورۂ ارضی کی کسر پوری کرنے کے لیے چند سال کے بعد مہینوں کے دنوں میں کمی بیشی۔ جس طرح کہ تقویم گریگوری میں ہر چوتھے سال ایک دن کی بیشی کردی گئی ہے، چونکہ اسلام نے ''نسی'' سے روکا تھا اور کبیسہ پر ''نسی'' کا شبہ ہوسکتا تھا اس لیے مناسب نہ تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا۔

مورخ موصوف کو یہ دور از کار دقیقہ سنجی اس لیے کرنی پڑی کہ قومی تقویم کی ضرورت واہمیت کے لیے ان کے ذہن میں کوئی جگہ نہ تھی اور چونکہ کوئی اور معقول تعلیل سمجھ میں نہیں آئی اس لیے ناچار ''نسی'' کی شرعی ممانعت کی وادی میں پہنچ گئے، حالانکہ کسی اعتبار سے بھی یہ تعلیل لائق اعتنا نہیں۔ اول تو یہ ان روایات کے خلاف ہے جو اوپر گزر چکیں کیونکہ ان میں تمام قدیم تقویموں کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے، نہ کہ کسی خاص تقویم کا۔ ثانیا: ''نسی'' مصطلحہ جاہلیہ اور ''کبیسہ'' مصطلحہ حساب قطعا دو مختلف چیزیں ہیں۔ جس ''نسی'' کو اسلام نے روکا اور قرآن نے کفر کی زیادتی سے تعبیر کیا، وہ یقیناً قمری مہینوں کی طبعی ترتیب کو اس طرح درہم برہم کردینا تھا کہ کبھی شعبان، محرم بن جاتا تھا اور کبھی رمضان ذوالحجہ قرار دیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اعمال وطاعات کے معین اوقات الٹ پلٹ ہوجاتے تھے اور ان کے تقرر وتعین کی اہمیت ومصلحت باقی نہیں رہتی تھی، لیکن ''کبیسہ'' بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ اس کا مقصد دوسرا ہے اور اس کے اجزاء کے نتائج دوسرے ہیں۔ اس کا کوئی اثر اس طرح کا مترتب نہیں ہوتا۔ وہ محض اس لیے ہے کہ سال بھر کے تین سو ساٹھ دن قرار دے دینے کے بعد جو کسر رہ جاتی ہے اسے کچھ عرصہ کے بعد پورا کردیا جائے تاکہ زیادہ مدت گزرنے کے بعد مہینوں اور برسوں کا فرق نہ بن جائے۔ پس کسی طرح بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ ''نسی'' کی حقیقت سے اس درجہ بے خبر تھے کہ تقویم کے کبیسہ کو بھی ''نسی'' سمجھ لیتے یا انہیں کبیسہ پر ''نسی'' کا شبہ ہوسکتا۔

حافظ سیوطی کا نظریہ: یہ نویں صدی کی ابتدا تھی لیکن سو برس کے بعد یعنی ہزارویں صدی کے اوائل میں یہی واقعہ ایک دوسرا رنگ اختیار کرلیتا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی سے تقویم وسنین کے متعلق ایک سوال کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے کہ اس میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے رومی اور ایرانی سنہ اختیار کرنے سے اس لیے اجتناب کیا کہ یہ عیسائیوں اور مجوسیوں کا سنہ تھا اور اسلام نے انہیں روک دیا تھا کہ کفار کا طور طریقہ اختیار کر کے اس کے رواج وقبولیت کا باعث نہ ہوں۔ اب غور کرو، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ کجا کفار کے طور طریقے سے اجتناب کا معاملہ اور کجا یہ معاملہ جو حساب وکتاب کے ایک علمی اصول وقواعد کا معاملہ ہے۔ حافظ موصوف نے یہ تعلیل کرتے ہوئے عہد فاروقی کی آدھی تاریخ فراموش کردی۔ اگر اس قسم کے معاملات میں غیر قوموں سے اخذ واستفادہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے شمار معاملات میں ایران وروم کے قدیم انتظامات اور تمدنی طریقوں سے فائدہ اٹھانا کیوں جائز رکھتے؟ یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام کو غیر قوموں کی بہت سی باتوں سے اجتناب تھا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتوں کو روکا اور عدم اتباع وتشبہ پر زور دیا مگر وہ باتیں دوسری ہیں ان کا محل دوسرا ہے، اس معاملے سے اسے کیا تعلق۔

واقعہ ہجرت کا اختصاص: اس جملہ معترضہ نے بہت طول

کھینچا۔ بہر حال اس معاملہ میں پہلی بات جو قابل غور تھی وہ قومی سنہ کا تقرر اور اس کی اہمیت کا احساس تھا۔ بغیر کسی دور دراز توجیہ کے اختیار کیے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ کی اس پہلو پر نظر تھی۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کے لیے قومی سنہ ضروری ہے اور اس لیے چاہئے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے، اندر ہی تیار کیا جائے۔

اس کے بعد دوسرا اہم نقطہ نظر واقعہ ہجرت کا اختصاص ہے۔ اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ سنہ کی ابتدا قرار دینے کے لیے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہوسکتی تھیں ان میں سے کسی چیز کی طرف ان کی نگاہ نہ گئی۔ ہجرت نبوی کا واقعہ جو آغاز اسلام کی بے سروسامانیوں اور کمزوریوں کی یاد تازہ کرتا تھا اختیار کیا گیا، آخر اس کی علت کیا تھی؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لیے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی۔ نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکہ کا فتحمندانہ داخلہ تھا۔ حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرت مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ تو کسی پیدائش کا جشن ہے، نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہے، نہ کسی غلبہ وتسلط کا شادیانہ، بلکہ اس زمانے کی یاد تازہ کرتا ہے جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اور ناکامیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لیے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہوگیا تھا۔ بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز واقارب اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ رات کی تاریکی میں، رہ سپار دشتِ غربت ہوا تھا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے، لیکن وہ ان کی تقلید پر آمادہ نہ ہوسکے اور انہوں نے بالکل ایک دوسری راہ اختیار کی۔

دنیا کے قومی سنین: قومی سنہ دراصل قوم کی پیدائش اور عروج و اقبال کی تاریخ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اس کا دور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور از سر نو شروع ہوتا ہے۔ اس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے سب کی بنیاد کسی ایسے واقعے پر نظر آتی ہے، جس سے کسی قومی فتح واقبال کا آغاز ہوا ہے۔ چونکہ اس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہے یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ وتسلط سے۔ اس لیے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتدا مشاہیر واکابر کی پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہے۔ ''بیرونی'' نے ''آثار الباقیہ'' نامی کتاب صرف سنین وتواریخ کے موضوع پر لکھی ہے اور اس درجہ کی لکھی ہے کہ آج بھی اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جاسکتی۔ وہ دنیا کے تمام سنین کا استقصاء کر کے لکھتا ہے۔

''قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیانِ حکومت و مذاہب کی پیدائش، پادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح وتسخیر، سلطنت کے انقلاب وانتقال اور حوادث عظیمہ ارضیہ سے تواریخ سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں''۔

قدیم سنوں میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی اور ایرانی سنین سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں۔ ان سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعے سے ہوتی ہے، بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اول کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے پہلے مصر سے خروج کے واقعے پر سنہ کی بنیاد رکھی تھی، کیونکہ اسی واقعے سے ان کی قومی آزادی کا دور شروع ہوتا تھا اس لیے اس کی یادآوری کے جذبے نے تاریخ وسنہ کی صورت اختیار کر لی۔ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہے، جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے پھر آگسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جس کی فتح مندیوں نے رومی عظمت کا نیا دور شروع کر دیا تھا۔ مسیحی سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہے یعنی اس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعے پر رکھی ہے۔

ہندوستان میں جہاں ہر گروہ کے لیے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا وہاں مختلف حلقوں کے لیے مختلف سنہ بھی قرار پا گئے تھے۔ جوتشیوں نے اپنے حساب کے لیے خاص جوتشی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لیے ایک الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور پادشاہوں کے سنہ ان کے لیے مخصوص تھے مگر ان سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعے پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آج تک مستعمل ہے، بکر ماجیتی سنہ ہے اور یہ راجا بکر ماجیت کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہے۔ اس رسم کی کہ ہر پادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں نے ہی بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہے تو ایران کا سرکاری سنہ یزدگرد آخری فرمانروائے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تردد: ان روایات سے جو پچھلی تحریر میں درج ہوچکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ابتدا میں یہی خیال ہوا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتداء کی جائے۔ سعید بن مسیّب اور یعقوبی کی روایت میں ہے کہ آپ نے جب حضرت علی سے مشورہ کیا تو ان کی رائے یہ ہوئی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ بات آپ کے دل میں اتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہوگئے۔ ابن مہران کی روایت میں ہے کہ مبدءِ تاریخ کے بارے میں حسب معمول صحابہ

نے مشورہ کیا تھا۔مختلف رائیں لوگوں نے دیں۔ بالآخر سب اس پر متفق ہوگئے کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کی جائے ’’فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الھجرۃ ۔ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے پر اچھی طرح غور وفکر کیا گیا تھا اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں چونکہ سامنے کی صاف بات یہی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے، جو ظہور اسلام کی اصل بنیاد ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس میں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اس پر انشراح نہیں ہوتا تھا، متردد تھے، بات قرینہ کی تھی لیکن دل میں بیٹھی نہ تھی۔ بالآخر مزید مشورہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے ۔ یہ رائے اتنی بہتر اور جچی تلی تھی کہ فورا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اتر گئی اور تمام اکابر صحابہ بھی اس پر متفق ہوگئے ۔ گویا ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہوگئی۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ واقعہ ہجرت کی وہ کون سی مناسبت تھی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو کہ مدینہ علم نبوت کے باب اور حکمت وسنت رسالت کے محرم اسرار تھے، اس طرف توجہ دلائی اور وہ کون سی ایسی مشہور ومعلوم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اتنی دور کی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فورا در آئی اور اس طرح تسلیم کر لی گئی، جیسے ایک مسلّم اور طے شدہ بات ہو۔

☆☆☆

خوشخبری　　　　خوشخبری

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا

کلینڈر 2019

جاذبِ نظر، خوشنما، ہر صفحہ اسلامی تعلیمات سے مزین، قابل دید قرآنی آیات سے آراستہ اور اہم معلومات سے پُر کلینڈر چھپ کر بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے۔

اپنا آرڈر بک کرائیں۔

مکتبہ ترجمان

Ahle Hadees Manzil 4116, Urdu Bazar
Jama Masjid, Delhi-110006

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICICI0006292
Ph:011-23273407,Fax:011-23246613
Mob: 9810162108,9560547230,9899152690

سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ - اہمیت وافادیت

ڈاکٹر امان اللہ محمد اسماعیل مدنی
مدرس مسجد نبوی شریف

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد:

اصل موضوع پر گفتگو سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کچھ اہم معلومات ذکر کردیئے جائیں تاکہ اس عظیم فن کے کچھ اہم نکات ذہن میں راسخ ہوجائیں اس لئے آئیں! سب سے پہلے سیرت سے متعلق کچھ اہم معلومات حاصل کریں۔

سیرت کی تعریف: سیرت کی لغوی تعریف: عربی زبان میں سیرت کا معنی سنت اور طریقہ کے ہے۔[المعجم الوسیط ص:۴۶۷ مختار الصحاح ص:۱۵۹]۔

سیرتِ نبی کا لغوی مفہوم ہوا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام ولیالی پر مشتمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ۔

اصطلاحی تعریف: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیات طیبہ پیدائش سے لیکر وفات تک کو سیرت کہا جاتا ہے تاہم اہل سیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے کے دینی واجتماعی حالات کو بھی شامل کیا ہے کیونکہ ان حالات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مندرجہ ذیل گہرا ربط وتعلق ہے:

۱- آپ صلی اللہ کی پیدائش وبعثت سے پہلے کی حالت اس لئے آپ کی سیرت کے ساتھ بیان کی جاتی ہے تاکہ اس دور کے دینی عقدی اور اخلاقی انحرافات کو جانا جاسکے اور یہ بھی دیکھا جاسکے کہ آپ کی ولادت باسعادت وبعثت کے بعد ان امور کا انجام کار کیا ہوا؟۔

۲- چونکہ آپ کی ولادت وبعثت سے پہلے کچھ ایسی نشانیاں اور بشارتیں نمودار ہوئیں جن کا آپ کی پیدائش وبعثت سے گہرا ربط وتعلق ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو اہلِ سیر نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱- المبتدا: اس سے مراد عالم انسانی کی ابتداء یعنی آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لیکر انبیاء کرام کے پیغامات ورسالات اور سابقہ امتوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

۲- المبعث: اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کی زندگی بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت رضاعت اور بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نشونما ہے۔

۳- المغازی: اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات وسرایا ہیں جو مدنی زندگی میں انجام پائے۔

سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق دیگر علوم وفنون:

سیرت نگاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو مستقل طور پر کتابوں میں جمع کردیا ہے ہر زمانے میں اہلِ سیر نے آپ کی سیرت پر کتابیں لکھی ہیں اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام گوشوں کو اجاگر کئے ہیں۔ کتبِ سیر کے علاوہ بھی بہترے ایسی کتابیں ہیں جہاں سے آپ وافر مقدار میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مباحث ومسائل اخذ کرسکتے ہیں وہ انواع واقسام کے علوم وفنون جن سے ہم سیرت رسول اللہ کے اہم اہم مسائل حاصل کرسکتے ہیں درج ذیل ہیں:

۱- قرآن کریم: قرآن کریم میں اللہ رب العالمین نے جابجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بیان فرمایا ہے بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد واخلاق دعوت ورسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اکثر گوشے کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ کا ذکر خیر وبشارتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کی باتیں وغیرہ وغیرہ واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا.

ترجمہ: تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں بہترین نمونہ ہے یہ ان کے لئے ہے جو اللہ سے امید رکھتے ہیں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا خوب ذکر کرتے ہیں۔[الأحزاب:۲۱]۔

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ.

ترجمہ: آپ بلند اخلاق پر فائز ہیں[القلم:۴]۔

۲- کتب حدیث: کتب حدیث میں وافر مقدار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال، احوال تقریرات، صفاتِ خَلقیہ وخلقیہ، فضائل ومناقب، غزوات وسرایا اور آپ کے صحیح معجزات بیان کئے گئے ہیں۔

۳- کتب دلائل نبوت: علماء اسلام نے مستقل طور پر آپ کے معجزات اور نبوت پر دلالت کرنے والی نشانیوں کو کتابی شکل دی ہیں جو آپ کی نبوت ورسالت پر دلالت کرتی ہیں۔

کتب دلائل میں سب سے بہترین تألیف" دلائل النبوة "امام ابونعیم اصبہانی کی مانی جاتی ہے۔

۴- کتب خصائص: کچھ مؤلفین نے آپ کے خصائص حمیدہ کو منفرد انداز میں

کتابی شکل دی ہیں۔

کتب خصائص میں امام سیوطي کی کتاب" الخصائص الكبرى" بہترین کتاب ہے۔

۵-کتب معجزات: کچھ مصنفین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسی ومعنوی معجزات کوایک جگہ کتابی شکل میں جمع کرکے آپ کے امتی ہونے کا ثبوت پیش کیا۔

کتب معجزات میں عبدالعزیزالسلمان کی کتاب"معجزات النبي صلى الله عليه و سلم" اچھی کتاب شمار کی جاتی ہے۔

۶-کتب مغازی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات وسرایا کوعلماء ربانیین نے تحقیق وتفتیش کے بعد کتابی شکل دی ہے۔

کتب مغازی میں مغازی ابن اسحاق اور مغازی الواقدی سب سے مشہور ہیں۔

۷-کتب حقوق مصطفیٰ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی پر کیا حقوق ہیں؟ انہیں یکجا کرکے علمانے امت محمدیہ کواس سے روشناس کرایا ہے۔

کتب حقوق مصطفیٰ میں قاضی عیاض کی"الشفا بحقوق المصطفى "اور ڈاکٹر محمد خلیفہ تمیمی کی کتاب" حقوق النبی علی امتہ "زیادہ مشہور ہیں۔

۸-کتب شمائل: کتب شمائل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات علیا وطبائع جمیلہ بیان کی جاتی ہیں۔

کتب شمائل میں شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ترمذی کی کتاب قابل ذکر ہے۔

سیرت نبی کے مطالعہ کی اهمیت وافادیت: ایک صحیح العقیدہ مسلمان کو چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو پابندی کے ساتھ پڑھے بلکہ اسے اپنے یومیہ مطالعہ میں رکھے کیونکہ اس کے بہت سارے فوائد ہیں ذیل کے سطور میں سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ کی چند اہمیت وافادیت پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں:

۱-سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی مکمل معرفت وجانکاری حاصل ہوگی بالخصوص آپ کا نسب نامہ، خاندانی پس منظر، تربیت ونشونما آپ کی دعوتی زندگی، مکی ومدنی زندگی کے واقعات وحوادث اور یادرہے کہ نبی کریم صلی اللہ کی شخصیت کے بارے میں معرفت وجانکاری حاصل کرنا ہر مسلمان پرواجب وضروی ہےاور کلمہ شہادت" أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله" بھی اس بات کا متقاضی ہے۔

۲-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے ایک مسلمان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرایمان مزید پختہ و مضبوط ہوگا جوایک مومن کا مطلوب ومقصود ہے۔

اللہ تعالی بار بار اپنی کتاب میں تمام انبیاء ورسل بالخصوص آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پرایمان لانے کا حکم دیتا ہےاللہ تعالی کا فرمان ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا.

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول ﷺ پراوراس کتاب پر جواس نے اپنے رسول ﷺ پراتاری ہےاوران کتابوں پراوراس سے پہلے اس سے نازل فرمائی ہیں، ایمان والو! جوشخص اللہ تعالیٰ سےاوراس کے فرشتوں سےاوراس کی کتابوں سے اوراس کے رسولوں سے اورقیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جاپڑا۔[النساء:۱۳۶]۔

اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ"

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت کا کوئی بھی فرد چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی میرے بارے میں سنے اور پھر اس کی موت ہوجائے اورمیری لائی ہوئی شریعت پرایمان نہ لائے تووہ جہنمی ہوگا۔[صحیح بخاری حدیث:۱۵۳]۔

۳-سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے پڑھانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت میں اضافہ ہوگا اور ہر مسلمان کو یہ علم ہونا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کی علامت بلکہ ایمان کا لازمی جزء ہے، جس کے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہوگی وہ دل ایمان سے خالی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.

ترجمہ: اس وقت تک کوئی صحیح مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اورتمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں[صحیح بخاری حدیث:۱۵]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزید فرماتے ہیں:" ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ أُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ".

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں اگر یہ کسی کے اندرجمع ہوجائے تووہ ایمان کی حلاوت وچاشنی پالیگا: اللہ اوراس کے رسول سے سب سے زیادہ محبت کرے، کسی انسان سے صرف للہ فی اللہ محبت کرے۔کفر کی طرف لوٹنا اسی طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کوناپسند کرتا ہے[صحیح بخاری حدیث:۱۶]۔

اورعمرفاروق رضی اللہ عنہ کی محبت نبی کا واقعہ کافی مشہور ہے " فعن عَبد اللَّهِ بنَ هِشَامٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ

بِنِ الخَطَّابِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَأَنتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِن كُلِّ شَيءٍ إِلَّا مِن نَفسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: "لاَ، وَالَّذِي نَفسِي بِيَدِهِ، حَتَّى أَكُونَ وأَحَبَّ إِلَيكَ مِن نَفسِكَ « فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الآنَ، وَاللَّهِ، لَأَنتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِن نَفسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: "الآنَ يَا عُمَرُ. «

ترجمہ: عبداللہ بن ہشام سے مروی ہیکہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میرے نفس کے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہاں تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب بن جاؤں پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! اب آپ میرے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اب تم درستگی تک پہنچ گئے[صحیح بخاری حدیث: ٦٦٣٢]۔

٤- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے اطاعت واتباع نبی کا جذبہ صادقہ پیدا ہوگا جو ہر مسلمان پر واجب وضروری ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿ وَمَا أَرسَلنَا مِن رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذنِ اللَّهِ وَلَو أَنَّهُم إِذ ظَلَمُوا أَنفُسَهُم جَاءُوكَ فَاستَغفَرُوا اللَّهَ وَاستَغفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴾

ترجمہ: ہم نے ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تیرے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔[سورۃ النساء:٦٤]۔

اللہ تعالی کا مزید فرمان ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَينَهُم ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِم حَرَجًا مِمَّا قَضَيتَ وَيُسَلِّمُوا تَسلِيمًا.

ترجمہ: سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ ایماندار نہیں ہوسکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف ہیں میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔[سورۃ النساء:٦٥]۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے﴿ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَايُحِبُّ الْكَفِرِينَ ﴾

ترجمہ: کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔[سورۃ آل عمران:٣٢]۔

معلوم ہوا کہ سیرت نبی کے مطالعہ سے ہم ہر چیز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقتدی، آئیڈیل اور اسوہ بنا سکتے ہیں چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات، اخلاقیات ہوں یا تعلقات۔

٥- سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص آپ کے دلائل نبوت اور معجزات کی معرفت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں مزید اضافہ ہوگا کہ اللہ تعالی نے آپ کا ذکر خیر کتبِ سابقہ میں بھی فرمایا اور انبیاء ورسل نے اپنی اپنی امتی کو آپ کی بشارت دی اور اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح جانتے تھے جیسے وہ اپنے اہل وعیال کو جانتے تھے ساتھ ہی اس بات کا بھی علم ہوگا کہ کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد ومبعث کا ذکر موجود تھا اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَإِذ قَالَ عِيسَى ابنُ مَريَمَ يَا بَنِي إِسرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَينَ يَدَيَّ مِنَ التَّورَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأتِي مِن بَعدِي اسمُهُ أَحمَدُ.

ترجمہ: اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے (میری قوم) بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔[الصّف:٦]۔

اللہ تعالی مزید فرماتا ہے: مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَينَهُم تَرَاهُم رُكَّعًا سُجَّدًا يَبتَغُونَ فَضلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضوَانًا سِيمَاهُم فِي وُجُوهِهِم مِّن أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُم فِي التَّورَاةِ وَمَثَلُهُم فِي الإِنجِيلِ.

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالی کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے۔[الفتح:٢٩]۔

٦- سیرت نبی کے مطالعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب اور آپ کے منفرد خصائص کا علم ہوگا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت ایک مسلمان کے دل میں گھر کر جائیگا اور ایک مسلمان کے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر میں اضافہ ہوگا، اللہ تعالی نے تمام انبیاء ورسل بالخصوص نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: إِنَّا أَرسَلنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكرَةً وَأَصِيلًا.

ترجمہ: یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے مسلمانو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح وشام۔[الفتح :9]۔

۷- سیرت نبی کے مطالعہ سے ہمیں تعلیم وتربیت کے میدان میں کافی مدد ملے گی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزماں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین معلم ومربی بھی تھے اللہ تعالی کا فرمان ہے: **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ.**

ترجمہ: وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔[الجمعہ:۲]۔

8- سیرت رسول کا مطالعہ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں کافی مدد ومعاون ثابت ہوگا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مکمل قرآن وحدیث کی تفسیر تھی اللہ تعالی کا فرمان ہے: **وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ.**

ترجمہ: دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ، یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔[النحل:۴۴]۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتی ہیں: **فعَن سَعدِ بنِ هِشَامٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: أَخبِرِينِي عَن خُلُقِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَت: " كَانَ خُلُقُهُ القُرآنَ "**

ترجمہ: سعد بن ہشام سے مروی ہیکہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں بتائیں تو حضرت عائشہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن کے عین مطابق تھا[مسند احمد حدیث:۲۵۳۰۲ حدیث صحیح ہے]۔

گزارشات: سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والوں سے چند اہم گزارشات ہیں:

۱- سیرت رسول کا مطالعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور صفات واخلاق کی صحیح جانکاری کے لئے کیا جائے۔

۲- سیرتِ نبی کریم صلی اللہ کے مطالعہ کا اہم مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان واعتقاد میں اضافہ وپختگی اور آپ کی اتباع واطاعت میں مزید شوق ہو۔

۳- کتبِ سیرت کے مطالعہ کے وقت ایک خاص چیز پر توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے وہ یہ کہ کتبِ سیرت میں ضعیف وموضوع روایتوں کی بھرمار ہے لہذا کتبِ حدیث کی طرح کتبِ سیرت کے مطالعہ کے وقت صحیح وضعیف بالخصوص موضوع ومن گھڑت واقعات وقصص کی تمیز ضروری ہے لہذا اُن کتبِ سیرت کا مطالعہ ہو جن میں غالباً صحیح روایات جمع کی گئی ہیں یا تحقیق شدہ ہیں۔

بطور مثال آپ صلی اللہ کی ہجرت سے متعلق بہت ساری ضعیف اور موضوع روایتیں گڑھ لی گئی ہیں جو عام کتب سیرت میں موجود ہیں اور لوگوں کے درمیان متداول بھی ہیں لہذا ان روایتوں سے بچنا ضروری ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور دلائل نبوت سے متعلق کثرت کے ساتھ موضوع اور من گھڑت روایتیں وضع کرلی گئیں ہیں جو عوام الناس کے درمیان کافی مشہور ہیں ان روایتوں سے بچنا اور اس باب میں صحیح روایتوں پر اکتفاء کرنا ہم تمام مسلمانوں کا نصب العین ہونا چاہئے۔

کتبِ سیرت میں صحیح وضعیف اور موضوع روایات کی تمیز کے لئے مہدی رزق اللہ کی کتاب:"السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية" کافی اہمیت کے حامل ہے الحمد للہ اس کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

اسی طرح" السيرة النبوية الصحيحة "ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی کتاب بھی قابل ذکر ہے۔

علاوہ ازیں کتبِ حدیث میں وافر مقدار میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف گوشے بیان کئے گئے ہیں اس لئے اگر کتبِ حدیث سے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اخذ کی جائے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ کتب حدیث میں اکثر صحیح روایتیں بیان کی گئی ہیں اور ضعیف وموضوع روایتیں بہت ہی کم ہیں۔

۴- بزبان اردو سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ میں "الرحیق المختوم" مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کی کتاب کافی مفید ہے یہی وہ کتاب ہے جس نے سیرت کے موضوع پر ہونے والے عالمی مقابلے میں اول نمبر حاصل کیا ہے ساتھ ہی ساتھ اس کتاب کا دنیا کی تمام مشہور زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور اس کتاب میں صحیح روایتوں پر زیادہ اعتماد کیا گیا ہے إلا ما شاء اللہ۔

اسی طرح علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "زاد المعاد"۔ جس "توشۂ آخرت" کے نام سے اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے جو کافی مفید ہے۔

۵- آخری اور اہم بات: ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام گوشوں سے متعلق صحیح روایتیں کثرت کیساتھ موجود ہیں جو ہماری زندگی کے لئے کافی ہیں لہذا ہمیں ضعیف اور موضوع روایتوں کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالی ہمیں صحیح سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے پڑھانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سیرت وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وصلى اللهُ وسلّم على عبده ورسوله محمد وعلى آله وصحبه اجمعين۔

☆☆☆

اہل جنت اوران کا مقام ومرتبہ

ابوعدنان سعید الرحمٰن بن نور العین سنابلی
المرکز الاسلامی الثقافی الہندی للترجمۃ والتالیف، نئی دہلی

☆**جنتی حضرات باہم ہم کلام ہوں گے اور ایک دوسرے سے گفتگو بھی فرمائیں گے**: کتاب وسنت کے نصوص کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اہل جنت جہاں ایک طرف رب تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے، وہیں دوسری طرف باہم ایک دوسرے سے بھی گفتگو کریں گے، نیز جہنمیوں سے بھی وہ کلام کریں۔

اللہ تعالیٰ کا جنتیوں سے ہم کلام ہونا: رب تعالیٰ قرآن پاک میں گویا ہے: ’’ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ‘‘(سورۃ یس/ ۵۵-۵۹) یعنی جنتی لوگ آج کے دن اپنے مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں۔ وہ اوران کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ان کے لئے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی جو کچھ وہ طلب کریں۔

نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا ہوا تھا اور آپ یہ حدیث ارشاد فرمارہے تھے کہ جنتیوں میں ایک شخص اپنے پروردگار سے کھیتی کی اجازت طلب کرے گا۔اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ جو کچھ تم چاہتے ہو، وہ موجود نہیں؟ وہ شخص عرض کرے گا کہ بے شک یہاں سب کچھ موجود ہے لیکن میری خواہش یہی ہے کہ میں کھیتی کروں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہرحال اس شخص کو کھیتی کرنے کی اجازت دے دی جائے گی اور وہ زمین میں بیج ڈالے گا اور پلک جھپکتے ہی سبزہ اگ آئے گا اور جب ہی کھیتی بڑھ کر پک کر کٹ جائے گی اور پہاڑ کے برابر انبار لگ جائیں گے، تب اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا: ’’ابن آدم! دیکھ تیری خواہش پوری ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ تیری حرص کا پیٹ کوئی چیز نہیں بھرسکتی‘‘۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ دیہاتی کہنے لگا: اللہ قسم! وہ شخص یقیناً یا تو قریشی ہوگا یا انصاری ہوگا کیونکہ یہی لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں جہاں تک ہم صحرا نشین دیہاتیوں کی بات ہے تو کھیتی باڑی سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ (صحیح بخاری/2348)

جنتیوں کا باہم ایک دوسرے سے ہم کلام ہونا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:’’فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ يَّقُوْلُ ءَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ وَلَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ‘‘ (سورۃ الصافات/ ۵۰-۵۹) یعنی جنتی ایک دوسرے کی طرف رخ کرکے پوچھیں گے۔ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ جو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ کیا تو قیامت کے آنے کا یقین کرنے والوں میں سے ہے؟ کیا جب کہ ہم مرکر مٹی اور ہڈی ہوجائیں گے کیا اس وقت جزا دیئے جانے والے ہیں؟ کہے گا تم چاہتے ہو کہ جھانک کر دیکھ لو؟ جھانکتے ہی اسے بیچوں بیچ جہنم میں جلتا ہوا دیکھے گا۔ کہے گا: واللہ! قریب تھا کہ تو مجھے بھی برباد کردے۔ اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کئے جانے والوں میں ہوتا۔ کیا یہ صحیح ہے کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟ بجز پہلی ایک موت کے، اور نہ ہم عذاب کئے جانے والے ہیں۔ پھر تو ظاہر بات ہے کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

جنتیوں اور جہنمیوں کا ایک دوسرے سے بات چیت کرنا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:’’وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ط قَالُوْا نَعَمْ ج فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ م بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ‘‘ (سورۃ الأعراف/ 44) یعنی اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو واقعہ کے مطابق پایا، سو تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو واقعہ کے مطابق پایا؟ وہ کہیں گے ہاں۔ پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ کی مار ہو ان ظالموں پر۔

نیز فرمایا:’’وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ‘‘ (سورۃ الأعراف/ 50) یعنی اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو، جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لئے بندش کردی ہے۔

☆**جنت میں تمام جنتیوں کو ان کے دنیوی نام و**

ولدیت سے پکارا جائے گا: جنت میں تمام جنتیوں کو ان کے دنیوی نام اور ولدیت سے پکارا جائے گا۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کیسی کتابیں ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! الا یہ کہ آپ بتادیں۔ آپ نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی کہ یہ رب کائنات کی کتاب ہے جس میں جنتیوں، ان کی ولدیت اور ان کے قبائل کے نام مذکور ہیں اور اخیر میں اجمالی خاکہ بھی موجود ہے جس میں نہ تو کچھ اضافہ کیا جائے گا اور نہ ہی کسی کا نام ہٹایا جائے گا۔ اس کے بعد اپنے بائیں ہاتھ میں موجود کتاب کے تعلق سے کہا: یہ رب تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں جہنمیوں کے نام، ان کی ولدیت اور ان کے قبائل کے نام مذکور ہیں اور اخیر میں ان کا اجمالی تذکرہ ہے، اس میں نہ تو ان کے علاوہ کسی کا اضافہ ہوگا اور نہ ہی کسی کو کم کیا جائے گا۔ (سنن ترمذی/2141، اسے شیخ البانی نے حسن قرار دیا ہے۔)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا کہ میں نے خود کو جنت میں پایا۔ وہاں میں نے ایک محل کے کونے میں ایک عورت کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ جواب ملا: عمر کا۔ پس مجھے ان کی غیرت یاد آگئی۔ اس لئے میں الٹے پاؤں لوٹ آیا۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض گزار ہوئے: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ پر بھی غیرت کرسکتا ہوں۔ (صحیح بخاری/3477، صحیح مسلم/2395)

جنتیوں کو حاصل ہونے والی عظیم ترین نعمت: رویت باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ اہل جنت کو بے شمار نعمتوں سے نوازے گا، مختلف انعامات واکرامات کرے گا اور ان پر طرح طرح کی نوازشیں فرمائے گا، لیکن ان تمام نعمتوں میں سب سے سب زیادہ فرحت بخش نعمت دیدار الٰہی ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ مخصوص بندوں کو فیضیاب فرمائے گا اور چنندہ بندوں کو سرفراز کرے گا۔ چنانچہ صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذا دخل أهل الجنة الجنة، قال: يقول الله تبارك و تعالىٰ: تريدون شيئا أزيدكم؟ فيقولون: ألم تبيض وجوهنا؟ ألم تدخلنا الجنة و تنجنا من النار؟ قال: فيكشف الحجاب فما أعطوا شيئا أحب اليهم من النظر الى ربهم عزوجل'' یعنی جب تمام جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس سے زیادہ کچھ اور تم مجھ سے چاہتے ہو؟ جنتی عرض کریں گے کہ کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن اور منور نہیں کیا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا، کیا آپ نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس موقع سے حجاب اٹھادیا جائے گا اور جنتی ذات اقدس کی طرف دیکھیں گے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ اہل جنت کو ایسی نعمت عطا نہیں ہوئی جو پروردگار کی طرف ان کے دیکھنے سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہو۔ (صحیح مسلم/181)

جنتیوں کی تعداد: جنتیوں کی تعداد کا حقیقی علم اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو ہے۔ البتہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر سابقہ امتوں کے مقابلے جنت میں اکثریت امت محمدیہ کی ہوگی۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو پکارا جائے گا۔ پھر ان کی نسل ان کو دیکھے گی تو کہا جائے گا کہ یہ تمہارے بزرگ دادا آدم علیہ السلام ہیں۔ (پکارنے پر) وہ کہیں گے کہ لبیک وسعدیک۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اپنی نسل میں سے دوزخ کا حصہ نکال لو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے پروردگار! کتنوں کو نکالوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ سو میں سے ننانوے جہنم کے لئے اور ایک جنت کے لئے نکال لو۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب ہم میں سو میں ننانوے نکال دیئے جائیں تو پھر باقی کیا رہ جائیں گے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام امتوں میں میری امت اتنی ہی تعداد میں ہوگی جیسے سیاہ بیل کے جسم پر سفید بال ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری/6529)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ! قیامت کے دن فرمائے گا: اے آدم! آدم علیہ السلام کہیں گے: میں اطاعت کے لئے حاضر ہوں، مستعد ہوں، ساری بھلائیاں صرف تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ اللہ فرمائے گا: جہنم میں جانے والوں کو نکال لو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے اللہ! جہنمیوں کی تعداد کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس وقت کی ہولناکی اور وحشت سے بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور ہر حاملہ عورت اپنا حمل گرادے گی۔ اس وقت خوف و دہشت سے لوگوں کو مدہوشی کے عالم میں دیکھوگے، حالانکہ وہ بے ہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ ایک شخص ہم میں سے کون ہوگا؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو، وہ ایک آدمی تم میں سے ہوگا اور ایک ہزار دوزخی یاجوج ماجوج کی قوم سے ہوں گے۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم تمام جنت والوں کے ایک تہائی ہوگے۔ پھر ہم نے اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد اللہ کے رسول نے فرمایا: ''محشر میں تم لوگ تمام انسانوں کے مقابلے میں اتنے ہوگے جتنے کسی سفید بیل کے جسم پر ایک سیاہ بال یا جتنے کسی سیاہ بیل کے جسم پر ایک

سفید بال ہوتا ہے''۔(صحیح بخاری/3348،صحیح مسلم/222)

سابقہ دونوں حدیثوں میں بظاہر اختلاف ہے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق ہر سو میں سے ننانوے افراد جنتی ہوں گے جبکہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے مطابق ہر ہزار میں دس افراد جنتی ہوگا۔علمائے کرام نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان مختلف ناحیوں سے تطبیق دی ہے۔

پہلا قول ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں عدد کا اعتبار نہیں ہے،اس لئے کہ کسی عدد کا تذکرہ زائد عدد کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔دونوں حدیثوں کا مدلول یہی ہے کہ جنتیوں کی تعداد کم ہوگی اور جہنمیوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو تمام اولاد آدم پر محمول کیا جائے گا یعنی تمام اولاد آدم کے اعتبار سے ہر ہزار میں ایک انسان جنتی ہوگا جبکہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو یاجوج ماجوج کے علاوہ دیگر اولاد آدم پر محمول کیا جائے گا،ایسی صورت میں ہر ہزار میں سے دس افراد جنتی ہوں گے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان تقسیم کا یہ عمل دو بار انجام پائے۔ایک بار سابقہ امتوں کے درمیان تو ہر ہزار میں سے ایک شخص کو جنت میں داخل کیا جائے اور دوسری بار امت محمدیہ کے افراد کے درمیان اور ان میں سے ہر ہزار میں سے دس کو جنت میں بھیجا جائے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بعث النار(جہنم میں جانے والوں) سے مراد کفار اور نافرمان مومن سبھی ہوں۔پھر ہر ہزار میں نوسوننانوے کفار مقصود ہوں اور ہر سو میں ننانوے گنہگار مقصود ہوں۔واللہ تعالیٰ اعلم(فتح الباری/۱۱/۳۹۰)

مالداروں سے پہلے فقیر لوگ جنت میں داخل ہوں گے: اللہ رب العزت جنت میں فقیروں کو مالداروں سے پہلے داخل فرمائے گا۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''ان فقراء المهاجرين يسبقون الأغنياء يوم القيامة الى الجنة بأربعين خريفا''یعنی فقیر مہاجرین قیامت کے دن جنت میں مالداروں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے(صحیح مسلم/5235)

نیز سنن ترمذی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور مسند احمد،سنن ترمذی اور صحیح ابن حبان میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنياء هم بخمس مائة عام'' یعنی فقیر مہاجرین اپنے مالداروں کے مقابلے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔(صحیح الجامع/6156)

دونوں سابقہ حدیثوں میں بظاہر اختلاف ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ فقیر مہاجرین مالداروں کے مقابلے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے جبکہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے۔دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ فقیروں کی حالت مختلف ہوتی ہے اور یہی حال مالداروں کا بھی ہے جیسا کہ امام قرطبی نے تذکرہ(ص/470)میں کہا ہے۔

فقیر حضرات اپنے ایمان کی مضبوطی میں اور ایمان کی طرف سبقت کرنے میں مختلف ہوں گے اور یہی کچھ حال مالداروں کا بھی ہوگا۔اگر پہلے جنتی فقیر اور آخری جنتی مالدار کا اعتبار ہوگا تو پھر یہ دورانیہ پانچ سو سال کا ہوگا لیکن اگر آخری جنتی فقیر اور پہلے جنتی مالدار کا اعتبار ہوگا تو یہ دورانیہ چالیس سال کا ہوگا۔واللہ اعلم(ملاحظہ ہو:النهاية لابن كثير الدمشقي ۲/۳۴۵)

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''قمت على باب الجنة فكان عامة من دخلها المساكين و أصحاب الجد محبوسون غير أن أصحاب النار قد أمر بهم الى النار'' یعنی میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں اکثر تعداد مسکینوں کی تھی اور مالدار لوگ روک دیئے گئے تھے اور جہنمیوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جاچکا تھا''۔(صحیح بخاری/5196،صحیح مسلم/2736)

جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی یا مرد؟ مشہور تابعی امام المعبرین محمد بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان بحث ومباحثہ ہوگیا کہ جنت میں زیادہ تعداد کس کی ہوگی؟ایک دوسری روایت میں ہے کہ مردوں اور عورتوں نے ایک دوسرے پر فخر جتایا یا باہم تذکرہ کیا کہ جنت میں مرد زیادہ ہوں گے یا عورتیں؟چنانچہ اس تعلق سے لوگوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس بات پر کہ جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی،اس امر سے استشہاد کیا کہ پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی،ان کی صورتیں چودہویں رات کے چاند جیسی ہوں گی اور ان کے بعد داخل ہونے والے لوگوں کی صورتوں کی جگمگاہٹ آسمان میں سب سے زیادہ چمکنے والے ستارے جیسے ہوں گے اور ان میں سے ہر انسان کو دو بیویاں حاصل ہوں گی جن کی گوشت کے پیچھے سے پنڈلیوں کی چربی پنڈلی تک نظر آئے گی اور جنت میں کوئی بھی شخص کنوارا نہیں ہوگا۔(صحیح مسلم/2834)

اس کے علاوہ کچھ لوگوں کا موقف ہے کہ نہیں،جنت میں زیادہ تعداد مرد حضرات کی ہوگی اور انہوں نے اپنے موقف کے اثبات میں جن حدیثوں سے استنباط کیا ہے ان میں سب سے مشہور حدیث وہ ہے جسے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے،اس میں ہے کہ آپ نے عورتوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا تھا:''فانی

أريتكن أكثر أهل النار'' یعنی میں نے تم عورتوں کو ہی جہنم میں زیادہ دیکھا۔(صحیح بخاری/304)

حالانکہ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ جہنم میں زیادہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ جنت میں ان کی تعداد کم ہوگی جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ۶/۳۲۵ میں کہا ہے۔

اس تطبیق کی بنیاد پر گویا جنت میں سب سے زیادہ خواتین ہوں گی اور جہنم میں بھی ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔ یہ اس صورت میں ممکن ہوگا جبکہ ہم یہ تسلیم کریں کہ دنیا میں ان کی پیدائش مردوں سے زیادہ ہوئی ہوگی۔

اس تعلق سے ایک بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ خواتین کی جنس جنت میں زیادہ ہوگی، چاہے دنیوی خواتین ہو یا حورعین ہوں، مجموعی اعتبار سے خواتین کی تعداد زیادہ ہوگی لیکن یہاں سوال دنیوی خواتین اور دنیوی مردوں کے تعلق سے ہے۔امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کی تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ شفاعت سے پہلے اور جہنم سے نافرمان مومنوں کو نکالے جانے سے پہلے جنت میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوگی۔البتہ جب مرد حضرات شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اور ارحم الراحمین کے رحم وکرم سے جہنم سے نکل جائیں گے تو پھر جنت میں ان کی تعداد زیادہ ہوجائے گی۔واللہ اعلم۔(التذکرہ/475)

جنت میں مردوں کی تعداد زیادہ ہوگی، اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک گھاٹی میں موجود تھے۔آپ نے فرمایا: دیکھو، کیا تمہیں کوئی چیز دکھائی دیتی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں ہمیں کوے دکھائی دے رہے ہیں جن کے بیچ میں ایک کوا ہے جس کا پیٹ سفید ہے، اس کی چونچ اور پاؤں سرخ ہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خواتین میں سے کوئی بھی جنت میں نہیں جائیں گی، الا یہ کہ جو کووں میں اس کوے جیسا ہو''۔(مسند احمد، مسند ابویعلی، شیخ البانی نے اسے صحیحہ/1851 صحیح قرار دیا ہے)

یہ رہے اہل جنت کے مختلف احوال وکوائف اور ان کی بعض صفات اور ان سے متعلق بعض اہم باتیں، امید ہے کہ یہ سطور ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گی اور نیکیوں اور بھلائیوں سے ہمارا رشتہ استوار ہوگا، تاکہ جنت جیسی عظیم نعمت الٰہی ہمیں حاصل ہو اور قیامت کے دن ہم حقیقی اور ابدی فوز وفلاح سے ہمکنار ہوں۔اللہ ہمیں توفیقات سے نوازے۔آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

اهل حدیث ریلیف فنڈ

سیلاب زدگان کے لیے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی

ہمدردانہ اپیل

کیرالہ میں سیلاب کی وجہ سے لاکھوں افراد اپنا گھر بار چھوڑ کر عارضی کیمپوں میں پناہ گزیں ہیں اس کے علاوہ دوسرے بعض صوبے بھی سیلاب سے متاثر ہیں۔جن کی مدد کرنا ہمارا دینی، ملی، وانسانی فریضہ ہے۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اپنی قدیم تاریخی روایت کے مطابق بے گھر اور اجڑے ہوئے افراد کے لیے ریلیف وراحت کا کام کررہی ہے۔

تمام اصحاب خیر اور صاحب ثروت حضرات سے اپیل ہے کہ حسب استطاعت سیلاب زدگان اور انتہائی مصیبت میں پھنسے لوگوں کی اعانت میں حصہ لے کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اپنی تمام ذیلی شاخوں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ خصوصی توجہ فرمائیں۔

نوٹ: چیک اور ڈرافٹ مندرجہ ذیل کے نام ہی بنوائیں۔اور بھیجی ہوئی رقم کی مدات کی وضاحت فرمائیں۔جزاکم اللہ خیرا

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind,

A/c 629201058685, ICICI Bank (Chandni Chowk Branch.RTGS/NEFT IFSC Code-ICICI0006292

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۶

Ph. 23273407, Fax No. 23246613

اپیل کنندگان

اراکین مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

بچوں میں ڈپریشن (ذہنی دباؤ)

تحریر: رزان الفصلی (ماہر نفسیات)
ترجمہ: عبدالمنان سلفی شکراوی، اہل حدیث منزل، دہلی

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸) ترجمہ: ’’جولوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یادرکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔‘‘ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ ڈپریشن (ذہنی دباؤ) کے مرض میں صرف بڑی عمر کے لوگ ہی مبتلا ہوتے ہیں اور بچوں میں یہ مرض نہیں ہوتا۔ لیکن یہ افسوسناک ہی ہے کہ اس مرض کا شکار بچے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے بڑے ہوتے ہیں۔ اگر ڈپریشن کے عوارض پائے جاتے ہیں تو جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا ہے ویسے ویسے ڈپریشن کے امکانات بڑھتے جاتے ہیں۔ اور اس سے اس کے تعلیمی وسماجی امور متاثر ہوتے ہیں۔

ڈپریشن بچوں اور نوجوانوں میں نادر مرض نہیں ہے بلکہ تین فیصد بچے اور نو فیصد نوجوان شدید قسم کے ڈپریشن کے شکار ہوتے ہیں اور بہت سے بچے مناسب علاج سے محروم رہتے ہیں۔ جس کی اہم وجہ یہ ہے کہ سرپرستوں کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہو پاتا کہ ان کا بچہ ڈپریشن کے مرض میں مبتلا ہے۔

بچوں میں ڈپریشن (ذہنی دباؤ) کی تعریف: مزاج میں شدید قسم کی بےچینی جو بچے سے اس کی زندگی کی رونق ہی چھین لے کو ڈپریشن کہا جاتا ہے۔ یہ فطری چیز ہے کہ بچے کے مزاج میں تبدیلی یا رنج وغم کی کیفیت رونما ہوتی رہتی ہے۔ ایسا عام طور پر اس وقت ہوسکتا ہے جب اس کا کوئی پالتو جانور مرجائے یا وہ کسی نئے شہر میں منتقل ہوجائے لیکن اگر یہ کیفیت کئی ہفتے یا کئی مہینے جاری رہے تو سمجھئے کہ بچہ ڈپریشن کا شکار ہے۔

بچوں میں ڈپریشن کے اسباب:

سب سے پہلے ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ ڈپریشن کے اسباب کیا ہیں؟ کچھ ڈپریشن کے اسباب کا تعلق خاندانی ہوتا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

☆ خاندانی بکھراؤ جیسے طلاق، والدین کے درمیان علحدگی، بدترین خاندانی حالات یا اقتصادی تنگی ومعاشرتی مشکلات کی وجہ سے خاندان کے افراد کے درمیان تناؤ، یہ سب باتیں بچوں میں ڈپریشن کی وجہ بنتی ہیں۔

☆ ڈپریشن کے شکار ماں باپ کے باعث کبھی اولاد بھی ڈپریشن کا شکار رہتی ہے۔

☆ افراد خانہ کی جانب سے بچوں کے ساتھ بدمعاملگی اور جسمانی یا جنسی زیادتیوں کے باعث بھی بچے ڈپریشن کے شکار ہوجاتے ہیں۔

ڈپریشن کے بعض دیگر اسباب:

☆ جرم کے جذبات نیز ضمیر کا فروغ بھی بچوں میں ذہنی دباؤ کا باعث بنتا ہے۔ اس طرح کہ بچہ کسی معمولی بات یا معمولی غلطی پر ردعمل کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ کبھی اسے وہم ہوجاتا ہے یا خیالات پریشان کرتے ہیں لیکن وہ اس کا حل نہیں نکال پاتا یا ذاتی سرزنش کے دائرے سے باہر نکل نہیں پاتا۔

کچھ عوامل جرم کے جذبات کا باعث بنتے ہیں، مثلاً کسی خاص غلطی کا صدور بعد ازاں احساس اخلاقی ذمہ داری، کسی غلطی کے صدور پر بچے کا سخت سرزنش یا لعن طعن سے دوچار ہونا، بچے کا احساس کمتری کا شکار ہوجانا، عزت نفس کا فقدان، عدم احساس لیاقت وحسن تصرف، ہمیشہ جرح ونقد کا شکار۔

☆ بچے سے ناکافی محبت وتوجہ یا اہل خانہ کا صحیح طور پر اس سے اپنی محبت وتوجہ کا اظہار نہ کر پانا یا غیر مناسب انداز بھی ذہنی دباؤ کا باعث بنتا ہے اور بچے پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کبھی کبھی اسے اس سے تکلیف بھی ہوتی ہے۔

☆ عاجزی اور کمزوری کا احساس بھی بچے کے ذہنی دباؤ کا باعث بنتا ہے۔

☆ کسی قریبی، دوست یا پالتو جانور کی وفات کے ردعمل کے طور پر بھی بچہ ڈپریشن کا شکار ہوجاتا ہے۔

بچوں میں ڈپریشن کی علامات:

اگر آپ اپنے بچے کے سلسلے میں پریشان ہیں تو ضروری ہے کہ بچوں میں ڈپریشن کی علامات سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اپنے بچے سے گفتگو کریں کہ وہ کیسا محسوس کررہا ہے؟ اگر آپ کو یقین ہوجائے کہ وہ ڈپریشن کا شکار ہے تو بچوں کے ڈاکٹر یا نفسیاتی ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ کیونکہ بچہ کا جتنی جلدی علاج شروع کیا جائے گا اتنی ہی جلدی وہ صحت یاب ہوگا۔

کبھی بچہ ان حالات میں ڈپریشن کا شکار ہوتا ہے: جذباتی ہو، غمگین ہو یا بیشتر اوقات بوریت میں مبتلا رہتا ہو یا جن چیزوں میں وہ پہلے دلچسپی لیتا تھا اب نہ لیتا ہو۔

جو بچہ ڈپریشن کا شکار ہوتا ہے کبھی اس میں وزن کم ہوجاتا ہے تو کبھی زیادہ بھی ہونے کا امکان رہتا ہے۔ اسی طرح کبھی وہ ضرورت سے کم اور کبھی ضرورت سے

زیادہ سوتا ہے۔

اسے لاچاری، حماقت یا جرم کا احساس ہوتا ہے۔

کسی امر پر توجہ مبذول کرنا یا سوچنا اور کوئی فیصلہ لینا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے۔

موت اور خودکشی کے بارے میں زیادہ سوچتا ہے۔

ذہنی دباؤ کے شکار بچے اسکول کے زمانے میں کبھی کبھار سر درد، معدہ کے مرض میں بھی مبتلا رہتے ہیں۔ دوستوں کے ساتھ کھیلنا اور دوسری سرگرمیاں جن میں وہ پہلے دلچسپی لیتے تھے اب ان میں حصہ لینا انہیں اچھا نہیں لگتا۔ جو بچے سخت ذہنی دباؤ (ڈپریشن) کا شکار ہوتے ہیں انہیں ایسی چیزیں نظر آتی اور سنائی دیتی ہیں جن کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح غلط قسم کے توہمات ان کے ذہنوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔

بچے کو ڈپریشن سے کیسے بچایا جاسکتا ہے؟

درج ذیل معلومات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ماں باپ اپنے بچوں کو ڈپریشن سے محفوظ رکھ سکتے ہیں:

۱۔ سخت ڈانٹ ڈپٹ سے احتراز کریں۔

۲۔ بچوں کے جذبات کو مجروح نہ کریں اس کے برعکس ہر ایک کے ساتھ پیار محبت کا معاملہ رکھیں اور ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہ کریں نہ ہی ان کا مذاق اڑائیں۔

۳۔ بچوں کو ان کے جذبات، احساسات، اندیشوں اور بالخصوص اگر وہ کسی لاچاری و بے بسی یا کمزوری کے بارے میں کچھ بتانا چاہیں تو انہیں اپنی بات رکھنے کا موقعہ دیں۔ بلکہ ان کے سامنے اس بات کی بھی وضاحت کی جائے کہ اس عمر میں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔

۴۔ بچوں کے ذریعہ کیے گئے صحیح اقدامات اور فیصلوں پر ان کی ہمت افزائی کی جائے، ان کی بات کو اہمیت دی جائے نیز انہیں کچھ نہ کچھ انعام سے بھی نوازا جائے۔ ساتھ ہی دیگر ایسے کاموں کے بارے میں ان کی رہنمائی کی جائے جن سے کامیابی کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں، اس سے ان کے اعتماد میں اضافہ ہوگا۔ ان کی ہمت افزائی کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ ان کی دلچسپیوں اور مہارتوں پر فخر کیا جائے اس سے ان کی شخصیت میں نکھار آئے گا۔

۵۔ ماں باپ کے علاوہ بھی کچھ ایسے افراد ہوں جن سے بچے کو تقویت ملے۔ مثلاً پڑوسیوں یا قرابتداروں میں سے کچھ ایسے لوگ ہوں جو اس کی بات کو وزن دیں جس سے اس کی ہمت افزائی ہو سکے۔

۶۔ بچے کے سامنے والدین کوئی ایسی گفتگو ہرگز نہ کریں جس سے ہراساں، مایوسی اور خوف کا احساس ہو کیونکہ اس پر اس کا خراب اثر پڑے گا۔

ڈپریشن میں مبتلا بچے کا علاج:

کبھی کبھی ڈپریشن عارضی ہوتا ہے جو ایک دو ہفتے سے زیادہ نہیں رہتا بلکہ سبب زائل ہونے کے بعد خود بخود زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ کیفیت مستقل رہے اور مرض کی شکل اختیار کر لے تو اس میں علاج کی ضرورت پڑتی ہے۔

۱۔ مسئلہ اور اس کی تفصیلات کی شناخت نیز اس کا حل تحقیق سے نہیں بلکہ محبت بھری جذباتی بات چیت سے ہو سکتا ہے۔ جس سے بچے کے جذبات و احساسات نیز جو غلطی اس نے واقعی کی ہے اس کے اندیشوں اور دماغی توہم یا کوئی قیمتی چیز جو اس سے ضائع ہو گئی ہے ان سب سے اس کی توجہ ڈائیورٹ ہو کر خالی الذہن اور ناراضگی زائل ہو جاتی ہے۔

۲۔ بچے کے رویے، جذبات اور سوچ اور ذہنی دباؤ کی جو کیفیت بنتی ہے اس کے وقفے اور مدت کے بارے میں نوٹس کیا جائے۔

۳۔ بچے کو کسی چیز کی گمشدگی یا رنج و غم کے ماحول سے باہر نکالا جائے تاکہ اس کے ذہنی دباؤ کی کیفیت ہلکی ہو اور وہ دوسرے بچوں کے ساتھ خوب گھل مل جائے۔ ایسی سرگرمیوں میں حصہ لے جس سے اس کی تنہائی ختم ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے قریبی رشتہ داروں، دوستوں کے یہاں جانا، سفر کا پروگرام بنانا یا باہر جا کر کھانا کھانا بہت مفید ہوگا۔

۴۔ بچے کو اس بات کے لیے آمادہ کیا جائے کہ وہ خود کے بارے میں مثبت بات کرے، اپنے اور اپنے کارناموں پر فخر کرے۔ اسے یہ بھی بتایا جائے کہ بسا اوقات مشکلات کے حل کے لیے دوسروں خاص طور پر گھر والوں کا سہارا لینا پڑتا ہے جو کہ ان کی اس سے محبت کی دلیل ہوتی ہے۔

۵۔ ڈپریشن کے دائرے سے باہر نکالنے یا اس میں سدھار کے لیے بچے کی تعریف کی جائے اور اسے نوازا جائے ساتھ ہی جس رویے سے ڈپریشن میں اضافہ ہوتا ہے، مناسب اور صحیح انداز میں اس کے خلاف دور اندیشی کا مظاہرہ کیا جائے۔

۶۔ اگر کوئی بھی ترکیب کارگر نہ ہو تو ایک معینہ مدت تک کسی اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے بذریعہ ادویہ علاج کرایا جائے۔ پھر بچہ ٹھیک ہو جائے تو اسپیشلسٹ ڈاکٹر کی نگرانی ہی میں علاج بند کر دیا جائے۔

۷۔ آخری بات اور جو سب سے پہلے کرنے کی ہے وہ یہ کہ بچے کو قرآن کریم سے وابستہ کر دیا جائے وہ اسے یاد کرے اور اپنی عمر کے حساب سے اس میں غور و فکر کرے۔

۸۔ ہمہ وقت خاص طور پر مشکلات کے وقت، اسے اللہ کے ذکر کا عادی بنا دیا جائے یہاں تک کہ یہ چیز اس کے ذہن و دماغ میں اچھی طرح راسخ و پیوست ہو جائے۔

☆☆☆

محمد غفران عبید الرحمٰن سلفی

فارغین مدارس کا تدریسی عمل سے بے رغبتی: اسباب وتدارک

زیر نظر مضمون ''فارغین مدارس کا تدریسی عمل سے بے رغبتی: اسباب وتدارک'' ایک اہم موضوع ہے جس پر مضمون نگار نے اچھی خامہ فرسائی کی ہے۔انہوں نے دور حاضر میں اساتذہ کی بے رغبتی کے جو اسباب وعلاج بتائے ہیں اس پر بھرپور توجہ مبذول کرنے اور تدارک وتلافی کی مخلصانہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔بایں ہمہ اساتذہ و مدرسین ومعلمین میں اگر اخلاص کی فراوانی، احساس کی شدت، اس معزز ومحترم کام سے انتہائی دلچسپی اور نونہالان قوم وجماعت اور ملک وملت کے تئیں عنداللہ وعندالناس جواب دہی کا احساس اور لگن ومحبت نہ ہو جو ہمارے اسلاف اور ماضی قریب تک اساتذہ کرام کے اندر تھا کہ وہ کسی بھی سبب کو خاطر میں لائے بغیر اپنے میدان کے حقیقی وکامیاب شہسوار بنے رہتے تھے تو کوئی بھی سبب اس معزز ومقدس مہم سے بے رغبت وبدظن کرسکتا ہے۔اس لیے ذہن سازی اور دل ودماغ کو اسی جذبے اور اخلاص کے سانچے میں ڈھالنے اور اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ہم میں سے ہر ایک کے ذہن ودماغ اور دل وزبان پر ہر حادثے اور سبب کے وجود پذیر ہونے پر'' **لا نرید منکم جزاء و لا شکورا**'' کا ورد چھا یا رہے اور ہمارے یہ روحانی وایمانی مربی ومحسن ہر گام پر ثابت قدم اور صخرۃ الوادی بنیں رہیں۔

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ و صحبہ اجمعین، اما بعد

دین اسلام میں درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کی بہت زیادہ اہمیت وفضیلت ہے، جس کی نشرواشاعت کے لئے مختلف ادوار میں بہت سارے مدارس وعلمی مراکز قائم کئے گئے، اور خود نبی ﷺ نے مدینہ میں ''صفہ'' کی شکل میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جہاں پر آپ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو پوری زندگی درس وتدریس دیتے رہے، اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور وارثین انبیاء نے تدریسی عمل سے بہت زیادہ رغبت وشغف اختیار کیا اور اپنی پوری زندگی اسی میدان میں گزار دی۔لیکن مرور ایام کے ساتھ دھیرے دھیرے تدریسی عمل سے بے رغبتی بڑھتی گئی اور موجودہ وقت میں صورتحال یہ ہے کہ فارغین مدارس کی اکثریت اس مقدس وبا مشرف فریضہ سے پہلوتہی اختیار کرکے کسی اور پیشہ سے جڑ جاتی ہیں، چنانچہ اگر یہی حالت بدستور جاری رہی تو آئندہ چند سالوں میں تدریسی فریضہ کو انجام دینے والے معدودے چند بچیں گے لہذا فارغین مدارس کی تدریسی عمل سے بے رغبتی کے اسباب ومحرکات کو تلاش کرنا اور پھر امت کو اس کی طرف توجہ دلانا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

مدارس کی لغوی و اصطلاحی تعریف:۔ لفظ مدارس مدرسہ کی جمع ہے جس کے معنی درسگاہ کے ہوتے ہیں۔اور اصطلاح میں یہ لفظ ان اداروں کے لئے خصوصی طور پر استعمال ہوتا ہے جہاں اسلامی عقائد وتعلیمات اور دینی اقدار و روایات کا درس دیا جاتا ہے۔

مدارس اسلامیہ کا قیام اور اس کا مختصر تاریخی پس منظر: دین اسلام میں مدارس اسلامیہ کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہی وہ دینی قلعہ ہیں جہاں سے کتاب وسنت کی نشرواشاعت کی جاتی ہے اور دعوت و تبلیغ کا کام پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے اور یہیں سے علماء ودعاۃ کی وہ جماعت تیار کی جاتی ہے جو شرعی علوم وقوانین کے درّۂ نایاب بن کر دین اسلام کی نشرواشاعت کا مقدس فریضہ انجام دیتی ہے، مدارس کو یہ بلند مقام ومرتبہ کیوں نہ حاصل ہو جب کہ اس کی بنیاد خود نبی ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی اور مکی دور میں ''دار ارقم'' اور مدنی دور میں ''مسجد نبوی'' اور اس سے متصل ''صفہ'' کو مرکزی درسگاہ کی حیثیت سے تعلیم و تربیت، دعوت وارشاد، تزکیہ روح ونفس اور فن وحکمت کا مرکز بنایا۔عہد صحابہ میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تعلیم وتعلم پر خاص توجہ دیتے ہوئے مکاتب کا قیام کیا، اور مختلف شہروں میں علماء وحفاظ کرام کو روانہ کیا۔اور جب اسلامی تعلیم کا دائرہ وسیع ہوا تو نئے مفتوحہ علاقوں میں بہت سے صحابہ کرام اقامت پزیر ہو گئے اور امارت، قضاء، تعلیم وتربیت، درس وتدریس اور جہاد وغیرہ میں نکل کر علم دین کی نشرواشاعت کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔الغرض درس وتدریس کا یہ سلسلہ بدستور جاری رہا لیکن ابھی تک اس کے لئے باقاعدہ طور پر کسی عمارت کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا بلکہ عام طور سے مساجد یا کسی کے مکان پر علماء ومحدثین کی مجلسیں قائم کی جاتی تھیں اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ چلتا تھا پھر ایک دور آیا کہ درس وتدریس کے لئے بڑے بڑے علمی مراکز قائم کئے گئے۔

چنانچہ بغداد میں بیت الحکمۃ، قاہرہ میں دارالحکمت، موصل میں دارالعلم، بغداد میں جامع منصور، دمشق میں جامع اموی، قاہرہ میں جامع ازہر، تیونس میں جامع قیروان، مغرب میں جامع قزوین، صنعاء میں جامع کبیر، اور اندلس میں جامع قرطبہ، یہ ایسے تعلیم وتربیت کے سرچشمے تھے جہاں ہر طرف سے کشاں کشاں شائقین علوم نبوت آتے تھے اور اس وقت کے ماہر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرتے تھے۔اس کے علاوہ مدرسہ نظامیہ، مدرسہ منصورہ بغداد، مدرسہ ناصریہ قاہرہ، مدرسہ نوریۃ الکبری دمشق اور مدرسہ صلاحیہ بیت المقدس یہ ایسی درسگاہیں تھیں جہاں سے ایسے باکمال افراد اور علمی شخصیتیں پیدا ہوئیں جو اپنے دور کے نابغۂ روزگار اور مرجع خلائق تھے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی جب مسلمانوں نے قدم رکھا تو دینی علوم کو سیکھنے اور سکھانے کی میراث بھی اپنے ساتھ لے کر آئے۔ لوگ ان کے علم وفن سے مستفید ہوتے رہے، چنانچہ مسلم سلاطین نے مختلف ادوار میں دینی اور تعلیمی درسگاہیں قائم کیں۔ اور علماء وفقہا کی علمی خدمات حاصل کیں اور اس طرح مدارس اور دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کی مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کیا تو برطانوی سامراج کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملانے اور مغربی تہذیب وتمدن کے اثرات کو کم کرنے کے لئے بہت سارے مدارس و مکاتب کا قیام عمل میں آیا جن میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی، مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ بہار، مدرسہ میاں نذیر حسین محدث دہلوی دہلی، مدرسہ عالیہ عربیہ مئو، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، مدرسہ عالیہ کلکتہ، مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور سدھارتھ نگر، مدرسہ ریاض العلوم دہلی، مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، مدرسہ اسلامیہ فیض عام مئو، دارالعلوم دیوبند، دارالتعلیم مبارکپور، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار وجھنڈا نگر، دارالعلوم سلفیہ دربھنگہ بہار، دارالسلام عمرآباد، مدرسہ رحمانیہ بنارس اور مرکزی دارالعلوم (جامعہ سلفیہ) بنارس، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اور آزادی ہند کے بعد بھی مسلمانوں نے اسلامی مدارس کے ذریعہ دینی علوم کی نشر واشاعت اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھا اور حسب ضرورت واستطاعت مدارس مکاتب قائم کرتے رہے، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے جو دینی علوم کی نشر واشاعت اور دینی اقدار وشعائر کی حفاظت کا مقدس فریضہ انجام دینے میں مصروف کار ہیں۔

تدریس: اھمیت و ضرورت: شریعت اسلامیہ میں درس وتدریس کو ایک بلند مقام حاصل ہے، دوسروں کو زیور علم سے آراستہ کرنے اور اپنے اوپر عائد علمی فریضہ سے سبکدوشی کا یہ ایک قابل ستائش ذریعہ ہے، یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر امت مسلمہ کے مستقبل کو سنوارا جاتا ہے اور علماء ودعاۃ کی ایک ایسی جماعت تیار کی جاتی ہے جو کتاب وسنت کی نشر واشاعت کا فریضہ انجام دیتی ہے، اور اس فن کی اہمیت وضرورت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سنہ ۲ ہجری میں بدر کے قیدیوں کی رہائی سے متعلق ایک بات یہ بھی آپ ﷺ نے طے کی کہ جس کے پاس فدیہ نہ ہو اور وہ پڑھنا لکھنا جانتا ہے تو مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے اور جب یہ بچے اچھی طرح سیکھ جائیں تو یہی اس کا فدیہ ہوگا۔

فن تدریس کی اہمیت وضرورت درج ذیل نکات کے ذریعہ مزید واضح ہوتی ہے:۔

☆ بعثت نبوی کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد لوگوں کو تعلیم دینا اور انہیں شرعی احکام سے روشناس کرانا تھا، اللہ تعالی کا فرمان ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [۳] یعنی:۔ وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس (اللہ) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے (ترجمہ جوناگڈھی) یہی وہ میراث نبوی ہے جس کی ذمہ داری علماء امت پر آتی ہے اس لئے کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں ارشاد نبوی ہے" ان العلماء ورثة الانبياء"

☆ شرعی علوم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، فرمان رسول ہے:۔ " طلب العلم فريضة على كل مسلم" [۲] اور اس فرض کی ادائیگی تدریس کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔ "خيركم من تعلم القرآن و علمه" یعنی تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

☆ دین کی نشر واشاعت اور دعوت وتبلیغ کے لئے درس وتدریس اور تعلیم وتعلم ہر وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، جس کے ذریعہ علماء وفضلاء کا ایک گروہ تیار کیا جاتا ہے جو دین کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اسی اہمیت ہی کے پیش نظر آپ ﷺ نے فرمایا:۔ "بلغوا عني ولو آيه" [۴] یعنی میری جانب سے پہونچا دو اگر چہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔

☆ درس وتدریس دین کی حفاظت وبقاء اور نسل نو تک دین کو پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ ہے، چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا:۔ "فليبلغ الشاهد الغائب فرب مبلّغ اوعى من سامع" یعنی حاضر شخص پر لازم و ضروری ہے کہ وہ دین کی باتوں کو غائب تک پہونچا دے کیونکہ بسا اوقات پہنچایا گیا شخص سننے والے سے زیادہ محفوظ اور یاد کرنے والا ہوتا ہے۔

☆ تدریسی عمل صدقہ جاریہ کی ایک قسم ہے جس کے ذریعہ طلبہ کو زیور علم وادب سے آراستہ وپیراستہ کیا جاتا ہے پھر وہ اس علم محصول کو دوسروں تک پہونچاتے ہیں اس طرح تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی معلم ومدرس کو پہنچتا رہتا ہے، ارشاد نبوی ہے:۔"اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة: الا من صدقة جارية، او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله" یعنی: انسان جب انتقال کر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین چیزوں کے، صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

درس و تدریس سے علماء امت کی رغبت و شغف

نبی اکرم ﷺ کو کتاب وحکمت کا معلم بنا کر مبعوث کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی دعوت وتبلیغ کا بھی حکم دیا گیا چنانچہ آپ نے پوری زندگی کتاب وسنت کی تعلیم دی اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے اور پھر جب آپ اس دار فانی سے رخصت ہونے لگے تو دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کی اس عظیم ذمہ داری کو علماء امت کے کندھوں پر ڈال دیا کہ وہ اس سلسلہ کو جاری رکھیں اور اسے آگے بڑھائیں، چنانچہ ہمارے اسلاف کرام نے قرون اولی ہی سے درس وتدریس کے اس مقدس فریضہ کو انجام دینا شروع کر دیا اور اس کے لئے بڑی بڑی علمی مجلسیں منعقد کیں اور پوری زندگی درس وتدریس کے اس مقدس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیتے

رہے۔درج ذیل سطور میں درس وتدریس سے علمائے امت کی رغبت وشغف کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:۔

☆**حضرت عبد الله بن عباس رضی الله عنهما کی تدریس سے شغف**:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے،آپ قرآن،حدیث،فقہ،فتوی،سیر ومغازی،ایام عرب کے امام و معلم تھے۔آپ کی مجلس تدریس عام طور پر مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی جس میں ہر فن کا باری باری درس دیتے تھے اور ہر طبقہ کے اہل علم آپ کے درس میں شریک ہوکر استفادہ کرتے تھے۔

☆**امام مالک رحمہ اللہ کی تدریس سے رغبت**:۔عالم مدینہ امام مالک رحمہ اللہ کا شمار کبار فقہا ومحدثین میں ہوتا ہے،عنفوان شباب میں جبکہ آپ کی سترہ سال کی عمر تھی اپنے شیوخ واساتذہ کی شہادت واجازت سے مسند درس وافتاء پر جلوہ افروز ہوئے اور پوری زندگی اسی میں صرف کردی۔آپ کی مجلس درس دو جگہ منعقد ہوتی تھی ایک مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر روضۂ جنت میں اور دوسری ان کے مکان کے پاس مقام جرف میں۔آپ کی مجلس میں تلامذہ کا ایک ہجوم ہوتا تھا جن کی تعداد تیرہ سو سے زائد ہے۔

☆**امام بخاری رحمہ اللہ کی تدریس سے شغف**:۔ امام بخاری رحمہ اللہ امام المحدثین کے لقب سے جانے جاتے ہیں آپ کی کتاب صحیح البخاری کو" اصح الکتب بعد کتاب الله "کا درجہ حاصل ہے،سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں ہی آپ درس حدیث سے منسلک ہوگئے اور تاحیات اس فریضہ کو انجام دیتے رہے،مولانا عبدالسلام مبارکپوری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ"جب امام المحدثین نے درس دینا شروع کیا اور ان کے درس کو شہرت حاصل ہوئی تو درس گاہ میں اس قدر ہجوم ہوتا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی۔

☆**میاں سید نذیر حسین محدث دھلوی رحمہ اللہ کی تدریس سے رغبت**:۔میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کا شمار جماعت اہل حدیث کے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے،آپ حدیث وفقہ کے امام مانے جاتے ہیں۔آپ کی مجلس درس کافی معروف ومشہور تھی جہاں پر ہندو بیرون ہند کے طول وعرض سے تشنگان علوم نبوت تشریف لاتے اور آپ کے درس سے فیض یاب ہوتے تھے،آپ نے تقریبا ۶۰ سال تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا اور لوگوں کو کتاب وسنت سے فیض پہونچاتے رہے۔

☆**مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کی تدریس سے شغف**:۔ آپ رحمہ اللہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے مہد سے لے کر لحد تک وابستہ رہے اور یہاں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تقریبا بیس سال تک جب تک یہ مدرسہ قائم رہا درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے،اس کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ بہار میں ایک سال تک تعلیم دی پھر جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لائے اور یہاں پر اخیر عمر تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے،غرضیکہ آپ نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس میں ہی وقف کردی تھی۔

درس وتدریس اور تعلیم وتعلم سے اسلاف کی رغبت وشغف کے یہ صرف چند نمونے تھے ان کے علاوہ ایسے بے شمار ائمہ ومحدثین اور علماء کرام تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کردی تھی اور تاحیات کتاب و سنت کی تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کراتے رہے اور دین اسلام کی خدمت میں مشغول رہے۔

فارغین مدارس کی تدریسی عمل سے بے رغبتی: اسباب ومحرکات: عصر حاضر میں دینی مدارس کو درپیش مسائل ومشکلات میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہاں سے ہر سال طلبہ کی ایک جم غفیر سند فراغت حاصل کرتی ہے لیکن اس کے باوجود مدارس اسلامیہ میں درس وتدریس کے لئے اساتذہ کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے کیونکہ فارغین مدارس کی اکثریت تعلیم سے فراغت کے بعد تدریسی عمل سے کنارہ کشی اختیار کرکے کسی اور پیشہ سے جڑ جاتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ آخر فارغین مدارس کا تدریسی عمل سے بے رغبتی کے کیا اسباب ومحرکات ہیں جن کی بنا پر وہ مدارس میں دس پندرہ سال کی تعلیمی مدت گذارنے کے بعد درس و تدریس اور تعلیم وتعلم سے دور بھاگتے ہیں۔چنانچہ اگر احوال وکوائف کا بغور جائزہ لیا جائے تو ایسے کئی اسباب سامنے آتے ہیں جو فارغین مدارس اور تدریسی عمل کے مابین رکاوٹ بنتے ہیں۔ان اسباب میں سے بعض کا تعلق تو خود فارغین مدارس کی ذات سے ہے جبکہ بعض اسباب خارجی ہیں۔آئندہ سطور میں انہیں اسباب ووجوہات کا مختصر طور پر جائزہ لیا جارہا ہے:۔

تدریسی عمل سے بے رغبتی کے داخلی اسباب

۱۔تدریس کو ایک دینی فریضہ کے بجائے محض کسب معاش کا ذریعہ سمجھنا:شریعت اسلامیہ کی نظر میں دینی علوم کا صرف حصول ہی کافی نہیں بلکہ "بلغوا عنی ولو آیة" کے تحت اسے دوسروں تک پہچانا بھی ضروری ہے،لیکن اس کے باوجود فارغین مدارس کی اکثریت درس وتدریس کو دینی فریضہ سمجھنے کے بجائے محض کسب معاش کا ایک ذریعہ سمجھتی ہے۔

۲۔ **صلاحیت میں کمی**:۔مدارس میں طلبہ کی ایک بڑی جماعت حصول علم کے لئے محنت ومشقت اور جاں فشانی کرنے کے بجائے محض اوقات گزاری کرتی ہے،یہاں تک کہ مرور ایام کے ساتھ وہ فراغت کے قریب پہونچ جاتی ہے لیکن علمی صلاحیت وقابلیت سے یکسر عاری نظر آتی ہے اور یہ الٰہی قانون " وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی "ان پر صادق آتا ہے، نتیجتًا وہ اپنے آپ کو تدریسی عمل کے قابل نہ سمجھتے ہوئے اس میدان میں قدم ہی نہیں

رکھتے یا رکھتے بھی ہیں تو اپنی کمی کو دور کرنے کیلئے نظماء حضرات کی چاپلوسی کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

۳۔ محنت سے جی چرانا:۔فن تدریس ایک محنت طلب عمل ہے،مثلاً: کلاس میں طلبہ کے سامنے بآواز بلند درس دینا، پیچیدہ مسائل کو سمجھانا اور بقیہ اوقات میں ان درسی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کرنا نیز طلبہ کے مقالات وغیرہ چیک کرنا اور ان کی ہفتہ واری انجمن میں گھنٹوں بیٹھ کر صدارت کرنا، یہ تمام ایسے اعمال ہیں جو محنت ومشقت اور ہمت وحوصلہ کے طالب ہیں، چنانچہ ان اعمال کو وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو محنت ومشقت سے جی نہیں چراتا بلکہ پوری جاں فشانی اور عزم وحوصلہ کے ساتھ ان کاموں کیلئے مستعد رہتا ہے،لیکن موجودہ دور میں علماء وطلباء کم ہمتی کے شکار ہوتے ہیں اور محنت ومشقت سے دور بھاگتے ہیں، اسی لئے وہ تدریسی عمل کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

۴۔ فارغین مدارس کا احساس کمتری کا شکار ہونا: دینی مدارس سے سند فراغت حاصل کرنے والے اکثر طلبہ صلاحیت وقابلیت کے باوجود احساس کمتری کے شکار ہوتے ہیں اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ درس و تدریس کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی ہم سے ناممکن ہے۔لہذا وہ تدریس کے میدان سے خود کو دور رکھتے ہیں۔

۵-فارغین مدارس کا آزادانہ ماحول میں زندگی گذارنے کی خواہش: دینی مدارس میں احکام شرعیہ پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کے قوانین وضوابط پر بھی عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا ہے لیکن فارغین مدارس کی اکثریت آزادانہ ماحول میں زندگی گزارنے کی خواہش رکھتی ہے لہذا وہ مدارس سے فراغت کے بعد اس کی طرف دوبارہ رخ ہی نہیں کرتی چہ جائے کہ وہ یہاں پر درس وتدریس کا فریضہ انجام دیں۔

تدریسی عمل سے بے رغبتی کے خارجی اسباب

۱۔ فارغین مدارس کی تربیت و ٹریننگ کا فقدان:۔ مدارس اسلامیہ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہاں پر طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھی تربیت بھی کی جاتی ہے لیکن موجودہ وقت میں طلبہ کی تربیت کی جانب بہت زیادہ توجہ نہیں دی جاتی اور نہ ہی تدریسی عمل کی ٹریننگ اور مشق کرائی جاتی ہے اور نہ ہی وہ ''طرق التدریس'' جیسے اہم فن سے واقف ہوتے ہیں، چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ سند فراغت کے حصول کے بعد کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اور تدریسی عمل کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

۲۔ علماء ومدرسین کی حالت زار:۔موجودہ دور میں جو طبقہ سب سے زیادہ حیران وپریشان ہے وہ علماء واساتذہ کا طبقہ ہے جس کے چند وجوہات ہیں:۔

(الف) **قلت تنخواہ**:۔موجودہ وقت میں مہنگائی عروج پر ہے، خورد ونوش کی اشیاء میں آئے دن بتدریج اضافہ ہوتا جارہا ہے،اس کے باوجود تدریسی عمل سے جڑے علماء کرام کی تنخواہ تمام اہل پیشہ کے بالمقابل سب سے کم ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں اور خوشحال وفارغ البال زندگی گزارنے سے قاصر نظر آتے ہیں، نتیجتاً وہ تدریسی عمل کو چھوڑ کر کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں۔

(ب) **معاشرتی حیثیت**:۔موجودہ وقت میں علماء کرام کی عزت وتوقیر کے بجائے انہیں گری ہوئی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور سماج ومعاشرہ کے پست ذہنیت کے لوگوں میں ان کا شمار کیا جاتا ہے (حالانکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور وہی تمام دینی معاشرے کو بحسن وخوبی انجام دینے والے ہوتے ہیں) اور اس معاشرتی خرابی کی ذمہ دار صرف عوام ہی نہیں بلکہ علماء بھی ہیں، چنانچہ ایسے ماحول ومعاشرے میں فارغین مدارس کی اکثریت تدریسی عمل سے دور رہنے کو ہی اپنی کامیابی وکامرانی تصور کرتی ہے۔

(ج) **مہتمم یا ناظم کا ناروا سلوک اور انانیت**:۔موجودہ زمانے میں اکثر مدارس کے مہتمم اور نظماء حضرات اپنے مدارس کے اساتذہ ومعلمین کو ایک زرخرید غلام سمجھتے ہیں اور ان کی عزت واحترام کرنے کے بجائے ہر طرح سے ان کا استحصال کرتے ہیں، اور طلبہ مدارس ان واقعات کے چشم دید گواہ ہوتے ہیں جس کی بناء پر وہ فراغت کے بعد تدریسی عمل سے جڑنے کے بجائے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

۳-اہل خانہ کا تدریسی عمل سے روکنا:۔اکثر فارغین مدارس کے اہل خانہ اپنے بیٹے سے زیادہ سے زیادہ روپیہ پیسہ کمانے کے خواہش مند ہوتے ہیں، چونکہ تدریسی عمل میں قلت تنخواہ کا مسئلہ سرفہرست ہوتا ہے، اس لئے وہ مدرسہ سے فارغ ہونے والے طالب علم کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ تدریسی عمل کے بجائے کوئی اور پیشہ اختیار کرے جس میں زیادہ سے زیادہ تنخواہ ملے۔

۴- یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم فارغین مدارس کے ذریعہ طلبہ کی غلط رہنمائی:۔عام طور پر فراغت کے سال طلبہ میں ایک عجیب کشمکش پائی جاتی ہے اور وہ تذبذب کا شکار نظر آتے ہیں، ایسے حالات میں یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلبہ ان کو دینی تعلیم میں مزید تخصص حاصل کرنے اور تدریسی عمل کو اختیار کرنے کے بجائے انہیں بھی عصری درسگاہوں میں آنے کی دعوت دیتے ہیں اور چوں کہ وہاں پر طلبہ کو مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مخلوط تعلیم کا عنصر بھی پایا جاتا ہے، جس کی بنا پر طلبہ فراغت حاصل کرنے کے بعد مدارس سے جڑے رہنے کے بجائے عصری درسگاہوں کا رخ کرتے ہیں، اور پھر وہاں سے نکلنے کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہتے کی دینی مدارس میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دے سکیں۔

۵-اساتذہ مدارس کا احساس کمتری کا شکار ہونا اور طلبہ سے اظہار بھی کرنا:۔اساتذہ کے اخلاق وکردار اور ان کے

فکروسوچ کا طلبہ پر گہرا اثر پڑتا ہے چنانچہ جب وہ احساس کمتری کا شکار ہوکر طلبہ کے سامنے تدریسی عمل کے تئیں اپنی حالت زار کا اظہار کرتے ہیں تو ایک طالب علم یہ سوچتا ہے کہ اگر ہم بھی فراغت کے بعد تدریسی عمل سے جڑے رہے تو ہماری بھی یہی حالت ہوگی، چنانچہ فراغت حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس کو خیر باد کہہ دیتا ہے۔

۶- حد سے زیادہ ذمہ داریوں کا بار ڈالنا:۔فارغین مدارس کا تدریسی عمل سے بے رغبتی کا ایک سبب مدارس میں ان پر حد سے زیادہ ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالنا بھی ہے۔مثلا:۔ چھ، سات گھنٹیاں پڑھانے کے لئے مکلّف کرنا، اور ساتھ ہی ساتھ ہاسٹل کی نگرانی، مطبخ کی دیکھ ریکھ، طلبہ کو بیدار کرنا اور دوسری ذمہ داریاں بھی ان کے سر پر ڈال دی جاتی ہیں، جس کی بنا پر فارغین مدارس تدریسی عمل سے بے رخی اختیار کرتے ہیں۔

۷- صلاحیت و دلچسپی کے موافق مادہ فراہم نہ کرنا:۔یہ بات معلوم ہے کہ تمام مدارس کے نصاب تعلیم یکساں نہیں ہیں، چنانچہ فارغین مدارس فراغت کے وقت تمام مادوں سے واقف نہیں ہوتے لیکن ہر ایک طالب علم کسی نہ کسی مادہ میں مہارت وصلاحیت ضرور رکھتا ہے اور جب وہ تدریسی میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس کی پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسکی صلاحیت ودلچسپی کے مطابق اسے کسی مادہ کی تدریس کے لئے مکلّف کیا جائے لیکن تعلیمی کمیٹی کی جانب سے اسے ایسے مادہ کا مکلّف کردیا جاتا ہے جسے وہ قطعی طور پر پڑھا ہی نہیں ہوتا یا اس مادہ میں اسے دلچسپی ہی نہیں ہوتی ہے، نتیجتًا وہ تدریسی عمل سے راہ فرار اختیار کرلیتا ہے۔

۸-اونچے عہدے کی تقرری کے وقت نظر انداز کرنا:۔تدریسی عمل سے جڑنے کے بعد ایک عالم بتدریج ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے اپنی علمی لیاقت وصلاحیت کو پروان چڑھاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اونچے عہدے کی تقرری نیز تدریسی عمل میں ترقی کے لائق بنالیتا ہے، لیکن اس موقع پر بھی عدل وانصاف سے پہلوتہی کرتے ہوئے نظماء کسی قریبی یا رشتہ دار کی تقرری کردیتے ہیں اور جو حقیقی طور پر ترقی کا مستحق ہوتا ہے اسے نظر انداز کردیتے ہیں۔ یہ اعمال بھی فارغین مدارس کو تدریسی عمل کی جانب اقدام کرنے سے روکتے ہیں۔

۹- اساتذہ مدارس کی آپسی نا چاقی و چپقلش:۔ موجودہ زمانہ میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے والے اکثر مدرسین اعلی سیرت و کردار کے حامل نہیں ہوتے بلکہ ان کے درمیان ناچاقی وچپقلش کا عنصر پایا جاتا ہے، نتیجتًا وہ آپس میں ایک دوسرے کا تعاون اور عزت وتوقیر کرنے کے بجائے حسد وجلن کے شکار نظر آتے ہیں اور آپسی خامیوں کو تلاش کرکے طلبہ کے سامنے بیان کرتے ہیں چنانچہ انتظامیہ کو ایک دوسرے کے خلاف بدظن کرکے مدارس سے اخراج تک کرادیتے ہیں اور بسا اوقات یہ معاملہ ہاتھا پائی تک پہنچ جاتا ہے، اور مدارس میں زیر تعلیم طلبہ ان احوال وکوائف سے باخبر ہوتے ہیں اور بسا اوقات ان کا عینی مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔لہذا وہ اس ماحول میں ایک گھٹن سی محسوس کرتے ہیں اور پھر فراغت کے بعد تدریسی میدان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

۱۰- مدارس میں پنشن وغیرہ کا انتظام نہ ہونا:۔ سرکاری وظائف سے جڑے اشخاص کی ایک تو تنخواہ زیادہ ہوتی ہے اور دوسرا یہ کہ ریٹائر ہونے کی صورت میں یکبارگی یا ماہانہ کچھ رقم ملتی رہتی ہے جبکہ مدارس میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے والے مدرسین اسی میدان میں اپنی پوری زندگی صرف کر دیتے ہیں اور جب زندگی کے آخری پڑاؤ پر پہنچتے ہیں اور درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے کے لائق نہیں ہوتے تو ایسے نازک حالات میں پنشن اور وظیفہ وغیرہ کا انتظام کیے بغیر ان کا گری ہوئی مکھی کی طرح مدارس سے اخراج کردیا جاتا ہے اور وہ آخری وقت میں نہایت کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارتے ہیں، یہ منظر بھی فارغین مدارس کا تدریسی عمل سے بے رغبتی کا ایک اہم سبب ہے۔

۱۱-بغیر کسی معقول عذر کے تدریسی عمل سے برخواست کردینا:۔تدریسی عمل سے جڑے اساتذہ کرام کے پاس اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ وہ کتنے سال تک ایک مدرسہ میں تدریسی فریضہ انجام دے سکیں گے اور کب ان کو اس عہدے سے برخواست کردیا جائے، جیسا کہ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی مسئلہ پر ناظم یا کسی عہدیدار سے ان کا اختلاف ہوجاتا ہے اور آپسی تعلقات خراب ہوجاتے ہیں تو پھر ان کو مدرسہ سے باہر کا راستہ دکھادیا جاتا ہے اور ان کے علمی خدمات کو یکسر فراموش کردیا جاتا ہے۔فارغین مدارس ان احوال سے بخوبی واقف ہوتے ہیں چنانچہ یہ عمل بھی ان کے لئے تدریسی عمل سے بے رغبتی کا ایک سبب بنتا ہے۔

فارغین مدارس کا تدریسی عمل سے بے رغبتی کے یہ وہ داخلی اور خارجی اسباب تھے جن پر سابقہ صفحات میں مختصر اروشنی ڈالی گئی ہے اور ان کو بیان کرنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے، حالانکہ اس کے علاوہ بھی بہت سارے اسباب ومحرکات ہیں جو فارغین مدارس اور تدریسی عمل کے مابین رکاوٹ بنتے ہیں۔

تدریسی عمل سے بے رغبتی کا علاج و تدارک

کسی بھی مرض کے ازالہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرض کی تعیین کیا جائے پھر اس کے لئے ایسی دوا تجویز کی جائے جو اس مرض کا ازالہ کرسکے اور ساتھ ہی ساتھ اس دوا کو استعمال میں بھی لایا جائے، موجودہ وقت میں فارغین مدارس کا تدریسی عمل سے بے رغبتی ایک مرض کی شکل اختیار کرچکی ہے، جو دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔لہذا اگر فوری طور پر اس مرض کی دوا تشخیص نہ کی گئی تو ممکن ہے کہ یہ مرض جان لیوا ثابت ہو، درج ذیل سطور میں تدریسی عمل سے بے رغبتی کا علاج وتدارک پیش کیا جارہا ہے:۔

☆مدراس میں زیر تعلیم طلبہ کو پوری محنت ومشقت اور جاں فشانی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنی چاہئے اور اپنے اوقات کو لہو ولعب میں گزارنے سے پرہیز کرنا چاہئے تاکہ مستقبل کی زندگی میں انہیں صلاحیت کی کمی کی وجہ سے تدریسی عمل کی انجام دہی

کے لئے شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔

☆فارغین مدارس کو دنیا کی رنگینیوں اور عصری درسگاہوں کی بے مہار آزادیوں میں پڑکر اپنے تدریسی فریضہ "بلغوا عني ولو آية" کونہیں بھولنا چاہئے بلکہ کماحقہ اس کی ادائیگی کی کوشش کرنی چاہئے۔

☆فارغین مدارس کو چاہئے کہ وہ پورے ہمت وحوصلہ کے ساتھ تدریسی میدان میں قدم رکھیں اور محنت ومشقت سے جی چراتے ہوئے تدریسی میدان سے راہ فرار اختیار نہ کریں۔

☆فارغین مدارس کو تدریسی عمل کے تئیں احساس کمتری کا شکار ہونے کے بجائے سنجیدگی اور تندہی کے ساتھ اللہ تعالی پر توکل کرتے ہوئے تدریسی فریضہ انجام دینا چاہئے، فرمان الہی ہے:" وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ"

☆فارغین مدارس کو چاہئے کہ وہ درس وتدریس کو صرف کسب معاش کی نظر سے نہ دیکھیں بلکہ اس کو ایک دینی فریضہ سمجھ کر پورے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ ادا کریں کیونکہ بروز قیامت وہ اس کے متعلق سوال کئے جائیں گے، ارشاد نبوی ہے" لا تزول قدم ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسال عن خمس؛ ومنها:ماذا عمل فيما علم"

☆اساتذہ کرام کو چاہئے کہ وہ طلبہ کی تعلیم کی ساتھ تربیت بھی کریں اور ان کے سامنے تدریس کی اہمیت وضرورت کو واضح کریں اور"طرق التدریس" کی باریکیوں سے انہیں آگاہ اور روشناس کرائیں اور تدریسی عمل کو انجام دینے پر ابھاریں اور انہیں احساس کمتری کا شکار نہ ہونے دیں اور فرمان نبوی ﷺ "كلكم راع و كلكم مسئوول عن رعيته" کو پیش نظر رکھتے ہوئے طلبہ کو درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے کے قابل بنائیں تاکہ فراغت کے بعد وہ پورے حوصلہ کے ساتھ اس عمل سے منسلک ہوجائیں۔

☆اساتذہ مدارس کو اعلی سیرت وکردار کا حامل ہونا چاہئے اور ایک دوسرے کے تئیں خیرخواہی کا جذبہ رکھنا چاہئے تاکہ ان کی شخصیت کا طلبہ پر ایک اچھا اثر اور پرتو پڑے اور ان کے اندر بھی تدریسی عمل سے وابستہ ہونے کا جذبہ پیدا ہو۔

☆ذمہ داران مدارس کو چاہئے کہ اپنے اوپر خرچ کو کم کرکے اساتذہ کو معقول مشاہرہ دیں (جس کے ذریعہ وہ اپنی ضروریات زندگی آسانی سے پوری کرسکیں اور ساتھ ہی کچھ رقم جمع بھی کرلیں تاکہ کسی ہنگامی صورت میں وہ ان کے کام آئے) تاکہ فارغین مدارس تدریسی عمل سے دلچسپی لیں اور ان کے اندر درس وتدریس سے رغبت وشغف پیدا ہو۔

☆منتظمین مدارس پر لازم وضروری ہے کہ وہ اساتذہ ومدرسین کے مقام ومرتبہ کو پہچانیں اور ان کی عزت وتوقیر کریں اور ان کے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہ کریں جس سے ان کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ وہاں پر گھٹن محسوس کریں۔

☆منتظمین مدارس کو اساتذہ پر حد سے زیادہ ذمہ داریوں کا بار نہیں ڈالنا چاہئے اور نہ ہی انہیں ایسے اعمال کا مکلّف کرنا چاہئے جس کو وہ بحسن وخوبی انجام نہ دے سکیں اور جو تدریسی عمل کو خیرباد کہنے کا سبب بن جائے اور اگر مکلّف کریں تو اس پر مدد کریں۔

☆ذمہ داران مدارس کو چاہئے کہ وہ اونچے عہدے اور منصب کی تقرری کے وقت باصلاحیت اور ماہرین اساتذہ کا پورا خیال رکھیں اور اچھی کارکردگی پر ان کے حوصلہ افزائی کریں تاکہ ان کے ساتھ فارغین مدارس بھی تدریسی عمل کو باعث فخر سمجھیں۔

☆ذمہ داران مدارس کو کسی بھی معاملے کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہئے بلکہ وہ اساتذہ کی رائے کو بھی اہمیت دیں اور محض اپنی عناد کی بنا پر ان کو تدریسی عمل سے برخواست کرکے فارغین مدارس کو درس وتدریس سے برگشتہ نہ کریں۔

☆تعلیمی کمیٹی کو چاہئے کی وہ کتابوں کی تقسیم کے وقت اساتذہ کی صلاحیت و دلچسپی کو ملحوظ رکھیں تاکہ وہ کماحقہ تدریسی عمل کو انجام دے سکیں اور فارغین مدارس میں بھی درس وتدریس سے دلچسپی پیدا ہو۔

☆دینی مدارس میں ریٹائرمنٹ اساتذہ کے لئے پینشن وغیرہ کا انتظام کرنا چاہئے تاکہ یہ عمل درس وتدریس سے رغبت کا سبب بنے۔

☆سماج ومعاشرہ کے افراد پر ضروری ہے کہ وہ تدریسی عمل سے منسلک اساتذہ کے تئیں اپنی رائے تبدیل کریں اور انہیں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھیں۔

﴿خلاصہ﴾

الحمدللہ، اللہ کے فضل وکرم اور احسان سے یہ موضوع اپنے اختتام کو پہونچا اور درج ذیل باتیں سامنے آئیں کہ:۔

☆مدرسہ کی بنیاد سب سے پہلے نبی ﷺ نے "صفہ" کی شکل میں رکھی اور پوری زندگی درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں مشغول رہے۔

☆ابتدا میں عام طور پر مساجد وغیرہ میں علماء کا حلقہ درس لگتا تھا پھر ایک زمانہ کے بعد بڑے بڑے علمی ادارے قائم کئے گئے۔

☆علماء امت نے قرون اولی ہی سے درس وتدریس کا فریضہ انجام دینا شروع کردیا تھا اور اپنی پوری زندگی اسی میں گزاردی۔

☆دین کی حفاظت بقاء، نشرواشاعت اور دعوت وتبلیغ کے لئے درس وتدریس ایک اہم ضرورت ہے۔

☆فارغین مدارس کا تدریسی عمل سے بے رغبتی کے کئی اسباب ہیں جن میں سے بعض اسباب تو داخلی ہیں: مثلا:۔ تدریس کو دینی فریضہ نہ سمجھنا، اور صلاحیت میں کمی وغیرہ، جبکہ بعض اسباب خارجی ہیں مثلا:۔ تربیت وٹریننگ کا فقدان، قلت تنخواہ، منتظمین کا ناروا سلوک، پنشن وغیرہ کا انتظام نہ ہونا وغیرہ اور ان اسباب کا تدارک کیے بغیر مدارس کی اصلاح ناممکن ہے۔

اخیر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان اسباب کو دور کرکے مدارس اسلامیہ کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق دے آمین۔

وصلى الله على نبينامحمد وعلى آله وصحبه اجمعين

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

(۱)

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا راحتی وفد کیرلا میں دوسری قسط کے ساتھ سیلاب متاثرین کے درمیان ریلیف ورک جاری ،دوسرا اعلیٰ سطحی راحتی وفد ۴؍ستمبر کو کیرلا پہنچے گا

دہلی، یکم ستمبر ۲۰۱۸ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا راحتی وفد زیر قیادت الحاج وکیل پرویز ناظم مالیات مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ریلیف کی دوسری قسط کے ساتھ کیرلا کے سیلاب متاثرہ علاقوں کے دورہ پر ہے ۔جس میں صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ کے ناظم مولانا عقیل اختر مکی وغیرہ شامل ہیں۔اس راحتی وفد نے کیرلا کے مختلف سیلاب متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور وہاں سیلاب متاثرین کے مابین نقد اور گھریلو اشیاء تقسیم کیں۔ وفد نے کالی کٹ ، کوچین ،آلاپوزا، وائے ناڈ، مالاپورم کے جن مقامات کا دورہ کرکے ریلیف کا کام انجام دیا ان میں چمبا کولم، میڈوڈی، آلوا، پرور، یرنا کلم، آرام مائل، پیتا گو ڈ وغیرہ مقامات قابل ذکر ہیں۔مرکزی وفد کے ہمراہ صوبائی اکائی ندوۃ المجاہدین اورذیلی اکائیوں کے ذمہ داران واراکین خصوصا نور محمد نورشاہ خازن ندوۃ المجاہدین، سی محمد بابو سیٹھ، ڈاکٹر حسین مدعور، مولانا عبدالرحمٰن مدنی، مولانا ذکریا صلاحی، ڈاکٹر افضل، عبدالرحمٰن سلمی، ایم سی فیصل، کبیر کریر، ماہن انور، شیبو بابو، اوم خان، عبدالرحیم مدنی، اقبال پناپرا، اسماعیل الپی، ایم صالح ایرابوکر، بشیر بھائی، رفیق بھائی بھی رہے۔

پریس ریلیز کے مطابق سیلاب کی اطلاعات کے آتے ہی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے سیلاب متاثرین سے اظہار ہمدردی اوران کو صبر وتحمل کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ عوام وخواص سے کیرلا کے مصیبت زدہ سیلاب متاثرین بھائیوں کے حق میں دعا کرنے اوران کا بھرپور تعاون کرنے کی اپیل کی۔ چنانچہ مرکز کی اپیل پر صوبائی جمعیات اہل حدیث خصوصاً صوبائی جمعیت اہل حدیث مدھیہ پردیش ،صوبائی جمعیت اہل حدیث تمل ناوڈو پانڈیچری اور صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ نے بھی اپنا بھرپور تعاون سیلاب متاثرین کے لیے بھجوایا اور راحت رسانی کا کام انجام دیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔جبکہ دیگر صوبائی جمعیات اہل حدیث مسلسل رابطے میں ہیں اوران کی طرف سے آنے والی رقومات کو سیلاب متاثرین کی بازآبادکاری کے لئے بھیجنے کی تیاری منظم طور پر ہورہی ہے۔نیز مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا دوسرا اعلیٰ سطحی راحتی وفد راحتی اشیاء لے کر مورخہ ۴؍ستمبر ۲۰۱۸ء کو صوبہ کیرلا پہنچے گا۔

(۲)

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی کے زیر قیادت مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا اعلیٰ سطحی راحتی وفد تیسری قسط کے ساتھ کیرالا میں

امیر محترم نے عوام وخواص سے سیلاب متاثرین کی بھرپور امداد کی اپیل کی

دہلی، ۶؍ستمبر ۲۰۱۸ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا اعلیٰ سطحی راحتی وفد زیر قیادت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند تیسری قسط کے ساتھ کیرالا کے دورہ پر ہے۔جس میں صوبائی جمعیت اہل حدیث کرناٹک وگوا جس نے سیلاب زدگان کے لیے ایک اچھی خاصی رقم جمع کی تھی، کے ناظم محمد اسلم خان اور خازن کے جے منصور قریشی عرف دادو بھائی وغیرہ اور گجرات کے احباب شامل ہیں۔امیر محترم مورخہ ۴؍ستمبر ۲۰۱۸ء کی شب کیرالا پہنچے اور اگلے دن ان کی قیادت میں وفد نے کیرالا کے آلپ پورہ ایرنا کلم، پری شور، اورکوٹ ایم اضلاع کے متعدد سیلاب متاثرہ مقامات مثلاً پلا تھروتھی، چیمبو پورم، پونگا، نیڈوموڈی، منکمبو، چنگم، الوا، کنوک کارا، الکوکارا، پرایار وغیرہ کا دورہ کرکے وہاں کی صحیح صورت حال کا جائزہ لیا اور متاثرین کے مابین نقد، چیک اور گھریلو اشیاء تقسیم کیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔اس اعلیٰ سطحی وفد کے ساتھ تمام دورے میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی کیرالا یونٹ ندوۃ المجاہدین کے ذمہ داران واحباب نور محمد شاہ خازن ندوۃ المجاہدین کیرالا، ایچ بابو سیٹھ نائب صدر ندوۃ المجاہدین کیرالا، مولانا زکریا صلاحی ناظم عمومی شبان المجاہدین، محمد ماہن، انور نوچیما، عبدالناصر ایلوکرا، محمد ایم، محمد اسماعیل، شیبو بابو، افضل ایپو، ارشاد مانیچری وغیرہ شریک رہے۔

پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے پیش نظر منظم طریقے سے متاثرین کی بازآبادکاری کا پروگرام ہے اس لیے صحیح صورت حال کے جائزہ کے بعد اس سلسلے میں جلد ہی لائحہ عمل تیار کیا جائے گا۔اسی طرح مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی صوبائی اکائی کیرالاندوۃ المجاہدین نے بھی بڑے پیمانے پر ریلیف کا کام کیا ہے اور اس نے سیلاب متاثرین کی بازآبادکاری کا بڑا منصوبہ بنایا ہے۔اس کا یہ کام بھی دیگر کاموں کی طرح ممتاز اور نمایاں ہے۔

پریس ریلیز کے مطابق امیر محترم کا آج کا دن بھی کافی مصروف رہا اور آپ نے وفد کے ساتھ متعدد مقامات مثلاً منجھلی، اڈواشری، پاراوور، موپاتھدم، پورایار، وراپژا، ویلی یاتھوناڈو وغیرہ کا دورہ کیا، وہاں کے دلدوز مناظر اور جانی ومالی تباہیوں کا مشاہدہ کیا اور متاثرین کے مابین ریلیف تقسیم کی اور کہا کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور اس کی تمام اکائیاں مصیبت کی اس گھڑی میں اہل کیرالا کے ساتھ کھڑی ہے۔ساتھ ہی آپ نے عوام وخواص سے اپیل کی کہ کیرالا کے سیلاب متاثرین کی دل کھول کر مدد کریں اور ان کی بازآبادکاری کی مہم میں شریک ہوں۔امیر محترم نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف طریقے سے آزماتا ہے تاکہ کون استقامت کے راستے پر گامزن رہتا ہے اور صبر کا دامن تھامے رہتا ہے۔نیز یہ کہ وہ اپنے اعمال وکردار کا جائزہ لے کر اپنی اصلاح کریں، ظلم وفساد سے دور رہیں اور اللہ کے قانون فطرت سے بغاوت نہ کریں۔یہ سیلاب بھی ایک بڑی آزمائش ہے۔اس لیے ہم سب کو اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہونا چاہیے اور اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے۔

☆☆☆

اسلام کی اشاعت میں صحابہ و ازواج مطہرات کی بے لوث خدمات مقامی جمعیت اہل حدیث کولوٹولہ کے اسٹیج سے علماء کا خطاب: مقامی جمعیت اہل حدیث کولوٹولہ کے زیر اہتمام اور شہری جمعیت اہل حدیث کی زیر نگرانی ایک روزہ دینی، دعوتی اور اصلاحی پروگرام بروز اتوار نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوا، جس میں ماہ محرم الحرام کی اہمیت وفضیلت، رسومات محرم الحرام کی شرعی حیثیت، ازواج مطہرات اور اشاعت دین اور سیرت صحابۂ کرام جیسے مختلف موضوعات پر علماء کرام کا خطاب ہوا، یہ پروگرام دو نشستوں پر مشتمل تھا، پہلی نشست کا آغاز بعد نماز مغرب جامعہ الہدی الاسلامیہ کے شعبۂ حفظ کے ایک طالب علم عبداللہ ابراہیم کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، طالب علم مرتضی اسلام نے نعت نبی ﷺ پیش کی، مولانا اعزاز الرحمٰن مدنی نے نظامت کی ذمہ داری نبھائی، مولانا عالمگیر تابش تیمی نے ماہ محرم کہ اہمیت وفضیلت بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس مہینے کی عظمت وحرمت اسی دن سے ہے جس دن اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا، ان مہینوں کی تعیین بھی اللہ نے کیا ہے۔مولانا محمد معروف سلفی ناظم شہری جمعیت نے رسومات محرم کا رد کرتے ہوئے کہا کہ اس میں ذکر شہادت کے نام پر محفل سجانا ہو یا تعزیہ داری یا غم وماتم منانا یہ وہ سب کام ہیں جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے نہ ہی ان کا تعلق اسلام سے ہے، البتہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت مسلم ہے، وہ جنت کے نوجوانوں کے سردار اور نواسۂ رسول ہیں، ان کی شہادت قابل افسوس ہے لیکن اس کو شریعت سے جوڑ کر بدعات و خرافات کا رواج درست نہیں ہے۔ دوسری نشست عشاء کے بعد شروع ہوئی جس میں صدر اجلاس مولانا ذکی احمد مدنی نے سیرت ازواج مطہرات کے روشن پہلوؤں کو واضح کیا جس میں انہوں نے کہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت وکردار، ان کی تفقہ اور رسول اللہ ﷺ کو ان کا تسلی دینا یہ کردار تمام دنیا کی مسلم عورتوں کے لئے بہترین نمونہ ہے، حضرت عائشہ ومیمونہ رضی اللہ عنہما نے اسلام کی نشر واشاعت میں جو بے پایاں کوششیں صرف کی ہیں ان کی کوئی نظیر نہیں، حقیقت یہ ہے کہ ازواج مطہرات اگر اسلام کے باریک مسائل لوگوں تک نہیں پہونچاتیں تو ہم بہت سارے احکام ومسائل سے نابلد ونا آشنا ہوتے، اگر ان کی سیرت کو اپنی زندگی میں نافذ کیا جائے تو ہمارا گھر جنت نما بن جائے گا، اخیر میں مولانا ثناء اللہ مدنی نے سیرت صحابہ پر مفصل روشنی ڈالی جس میں انہوں نے عبداللہ بن حذافہ، خباب بن ارت، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، ماعز اسلمی، عمیر بن ہمام، سمیہ، ابوطلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ کی مثالیں بیان کرکے واضح کیا کہ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے اسلام کے لئے دنیا کو ٹھکرادیا، انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اپنی غلطی پر اصرار کے بجائے دنیوی سزا کو تسلیم کیا، مہمان نوازی کی انوکھی مثال قائم کی، ہر مشکل گھڑی میں صبر وتحمل کو اپنا شیوہ بنایا اور الفت ومحبت اور اخوت وبھائی چارگی کی ایسی مثال قائم کی جسے دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔یہ پروگرام کافی دلچسپ اور کامیاب رہا، اس میں مختلف مقامی جمعیتوں کے اراکین، عوام اور خواتین کے ساتھ جامعہ الہدی الاسلامیہ کے طلبہ اور علماء شریک رہے۔(عالمگیر تابش تیمی، کولکاتہ)

جماعتی خبریں

ضرورت اساتذہ حفظ : مرکز ابن القیم الاسلامی للبحوث والدعوۃ والارشاد (Chennai) بحمداللہ اپنے علمی اور دعوتی اور سماجی خدمات میں اپنی منفرد پہچان رکھتا ہے، مرکز کو علی الفور حفظ کے لئے دو اساتذہ کی ضرورت ہے شرائط حسب ذیل ہیں: عمر ۳۵ سے ۴۵ کے درمیان ہو تدریسی میدان میں کم از کم ۸ سالہ تجربہ ہو۔ تنخواہ حسب صلاحیت مع قیام وطعام کے 15000 سے 20000 کے درمیان ہوگی۔خواہش مند معلمین اس نمبر پر صرف بذریعہ واٹس ایپ رابطہ کریں اور کال

کرنا چاہیں تو صبح 11 سے 12 تک شام 5 سے 6 بجے تک

(حافظ عبدالواحد عمری مدنی 07845441970)

سانحہ ارتحال: آج مورخہ ۲۹/اگست ۲۰۱۸ء بروز بدھ بوقت نماز عصر جناب مولانا ولی محمد صاحب رحمانی بستوی کا انتقال ہوگیا، مولانا کی ولادت اپنے گاؤں بڑھی خاص ضلع بستی یوپی سن ۱۹۳۸ء میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے منشی عظمت اللہ صاحب سے درجہ دوم تک حاصل کیا۔ اور قرآن مجید کی تعلیم اپنے نانا عبدالرحمٰن صاحب سے مکمل کیا۔ وہاں سے مدرسہ سراج العلوم بونڈ یہار میں داخلہ لیا وہاں چار سالوں تک تعلیم پانے کے بعد مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال چلے گئے۔

پھر وہاں سے جامعہ سلفیہ بنارس میں دوسال تک تعلیم حاصل کی جماعت چوتھی پانچویں کی تعلیم بنارس میں حاصل کیا پھر چھٹی اور ساتویں جماعت کے لیے دوبارہ جھنڈا نگر نیپال واپس آگئے۔ پھر مدرسہ ریاض العلوم دہلی سے ۱۹۵۸ء میں فراغت حاصل کی۔

بعد فراغت مدرسہ چشمہ صمد میں آکر مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے۔ دوسال تک مدرسہ چشمہ صمد میں درس دیا پھر وہاں سے خطیب الاسلام جناب مولانا عبدالرؤف رحمانی کے طلب پر جھنڈا نگر میں آگئے۔ پانچ سالوں تک مختلف جگہوں پر مختلف اوقاف میں پڑھائے پھر وہاں سے ممبئی پہنچ گئے۔ مسجد محمدی وکرولی میں امامت کا منصب حاصل کیا ایک سال تک وہاں امامت کیا۔

سن ۱۹۷۳ء میں فساد ہوا تو ممبئی بھی چھوڑ دیا، وہاں سے گجرات آگئے وہاں جامع مسجد اہل حدیث میں دوسال تک امامت کے عہدے پر فائز رہے پھر وہاں سے احمد آباد چلے گئے۔ وہاں پر آٹھ سالوں تک مسلسل امامت کا فریضہ انجام دیا پھر وہاں سے بھوپال ایم پی میں ہمیشہ ہمیش کے لئے مستقل طور پر منتقل ہوکر بس گئے یہاں ۱۹۸۰ء سے امامت کی ذمہ داری سنبھالی۔ تقریباً دس سالوں تک یہاں بھی امامت کے بعد چند وجوہات کے بنا پر امامت سے ہٹ کر آگرہ چلے گئے۔

تین سالوں تک آگرہ میں درس وتدریس کے ساتھ امامت کا فریضہ انجام دیا مدرسہ قاسم العلوم ککو گلی نائی کی منڈی آگرہ میں رہے۔ پھر واپس بھوپال تشریف لائے اور جامع مسجد اہل حدیث نیو کارخانہ میں اسی متروکہ جگہ پر دوبارہ امامت کرنے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں سے بھی ۲۰۰۷ میں سبکدوش ہوگئے۔ آپ نے اپنے ٹھوس علم کی بنا پر چند کتب بھی تصنیف کی ہیں جو عوام میں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں نمبر۱ صلاۃ خیرالوری نمبر۲ شعبہ ایمان نمبر۳ حسن یوسف الصدیق نمبر۴ احادیث سیدالقونین بروایۃ صحیحین آپ کی تصنیفات ہیں۔ جامع مسجد اہل حدیث بھوپال کا قیام وسنگ بنیاد آپ کی موجودگی میں عمل میں آیا۔

آپ کی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز آئے مگر آپ نے سب ستم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ علم حدیث اور علم فرائض کے ماہر تھے فارسی گلستاں بوستاں کے اشعار آپ کی تقریروں کو زینت بخشتے تھے کیونکہ آپ کو ازبر تھے۔ مہمان نوازی کا بہت شوق رکھتے تھے علماء کے قدرداں تھے۔ حلال وحرام کا ہمیشہ خیال رکھا۔ علمی صلاحیت کے مالک تھے برے لوگوں کی صحبت کو ہمیشہ ناپسند کیا۔ اسی سال کی عمر پا کر داغ مفارقت دے گئے۔

پسماندگان میں ۳ لڑکے ۳ لڑکیاں باحیات ہیں دو کا آپ کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے نیکیوں کو نجات کا ذریعہ بنائے لغزشوں کو درگذر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

(ابوالحسین فیضی وذمہ داران بھوپال 7566621292)

مولانا عبدالمجید مدنی، سابق ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی کو صدمہ: نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ مولانا عبدالمجید مدنی صاحب سابق ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی کے چچا جناب رئیس احمد صاحب جو آپ کے سسر بھی تھے کا طویل علالت کے بعد مورخہ ۸/اگست ۲۰۱۸ء کو تقریباً صبح ساڑھے سات بجے آرائے میل ہاسپٹل میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

موصوف ایک دیندار اور اطاعت گزار خانوادے سے تعلق رکھتے تھے، صوم وصلاۃ کے پابند تھے، نماز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے، ادھر کچھ دنوں سے اپنے عزیزوں کے ساتھ دہلی ہی میں مقیم تھے اور بیمار رہنے لگے تھے، علاج ومعالجہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی، آخری چند ہفتوں سے کئی اہم ہسپتالوں میں بھی زیر علاج رہے، مولانا عبدالمجید صاحب مدنی علالت کی شدت سن کر سعودی عرب سے دہلی تشریف لائے اور دوا علاج اور عیادت میں جٹ گئے لیکن موت سے کس کو رستگاری۔ واعی دواء الموت کل طبیب۔ آخر قضا وقدر غالب آگئی اور ہاسپٹل ہی میں حادثہ انتقال رونما ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خطاؤں سے درگزر فرمائے، رحمتوں سے نوازے، جنت الفردوس الاعلیٰ میں مقام متعین فرمائے اور پسماندگان خصوصا مولانا عبدالمجید صاحب مدنی اوران کی اہلیہ جو مرحوم کی نورچشم ہیں کو صبر جمیل عطا فرمادے۔ **للہ ما اعطی ولله ما اخذ ولا نقول الا ما یرضی ربنا. انا لله وانا الیه راجعون.**

(شریک غم: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

(مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر، ناظم عمومی، ناظم مالیات اور جملہ ذمہ داران و کارکنان نے مذکورہ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل اور پسماندگان سے اظہار تعزیت کیا ھے) ☆☆